مفتاح المجالس

ادارہ تذکرۃ الطاہرین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

اے اہلبیت خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو ہر برائی سے دور رکھے اور جو پاکیزگی کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے

(سورۂ احزاب)

مفتاح المجالس

حصہ اوّل

از افادات

ملک الناطقین عمدۃ الواعظین فخر الناسہین عالیجناب
مولانا المولوی السید شاکر حسین صاحب قبلہ
نقوی الیسرسوی اعلی اللہ مقامہ

ناشر

ادارہ — تذکرۃ الطاہرین — نواب شاہ

بار اول ۱۹۷۹ء ایک ہزار
کتابت عبدالحمید
مطبع نامی پریس لاہور
ناشر ادارہ تذکرۃ الطاہرین
ہدیہ

فہرست

ادارہ تذکرۃ الطاہرین

ادارہ نے قوم کے سامنے بالکل اچھوتا لٹریچر پیش کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے جس میں اس کو جس قدر کامیابی ہوئی اس کا اندازہ اس کے انوکھے اور دلکش منشورات سے ہوسکتا ہے۔

ہم آپ سے صرف

اتنی اعانت کے طالب ہیں کہ اس کے نشریات کو خریدیئے، پڑھئے اور دوسروں کو پڑھنے کا موقع دیجئے۔ اس سے زیادہ ہم کسی اور مالی امداد کے طالب نہیں ہیں۔ سرمایہ اندوزی اور تجارتی مقصد پیش نظر نہیں ہے۔ ہم صرف خدمت علم و مذہب کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ہم سے تعاون فرمائیں۔ خدا آپ کا بھلا کرے۔

تشکر

ہم جناب مولانا سید صابر حسین نقوی السرسوی خلف الصدق مولانا

ابتدائی تعلیم وطن ہی میں ہوئی۔ آپ کے بچپنے ہی میں والد کا انتقال ہوگیا اور آپ میرٹھ چلے گئے جہاں دو سال تک مدرسہ منصبیہ میں زیر تعلیم رہے پھر امروہہ ضلع مراد آباد چلے گئے اور جناب سرکار مولانا و مقتدانا سید محمد صاحب قبلہ مجتہد العصر والزمان اعلی اللہ مقامہٗ پرنسپل مدرسہ سید المدارس کی شاگردی اختیار کی اور مدرسہ سید المدارس سے الٰہ آباد یونیورسٹی کے درجات منشی، کامل، مولوی، عالم، فاضل پاس کیے — اور ۱۹۲۶ء میں وطن سرسی واپس آگئے۔ وطن ہی سے آپ کی ذاکری و خطابت کا آغاز ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے شہرت و مقبولیت حاصل کر لی۔ بسلسلۂ مجالس و محافل باہر آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ہر دلعزیزی اور انداز خطابت کی پسندیدگی میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جہاں بھی آپ تشریف لے گئے اپنی خطابت اور زور بیان کا عوام و خواص سے لوہا منوا لیا اور دیرپا اثرات چھوڑے۔ جب آپ کی شہرت و مقبولیت کا دائرہ سرسی سے وسعت کراچی تک پہنچا تو ۱۹۳۰ء میں فخر قوم حاجی غلام حسین صاحب جیٹھا گوکل کی خصوصی دعوت پر ایک عشرۂ مجالس کے لیے کراچی تشریف لائے خوب خوب مجالس پڑھیں، خطابت و موعظت کے دریا بہا دیئے۔ عوام و خواص کے دلوں پر سکہ بٹھا دیا۔

مولانا کی شہرت و مقبولیت کو دیکھ کر جناب سید محمد جان صاحب رئیس سرسی و متولی وقف میر غلام علی صاحب مرحوم نے خواہش ظاہر کی اور مجبور کیا کہ وقف کی ۱۹، ۲۰، ۲۱ رمضان المبارک کی

مجالس و عشرۂ محرم الحرام و عشرۂ اربعین آپ پڑھا کریں۔ چنانچہ مولانا نے موصوف کے اصرار پر ان مجالس کو پڑھنا منظور کر لیا اور تا حیات وقف میں پڑھتے رہے۔ اس طرح ان ایام عزا میں سرسی سے باہر جانے کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ البتہ عشرۂ محرم میں مرادآباد د شب میں امام باڑہ محمد قلی خاں میں ضرور پڑھا کرتے تھے جہاں بلا تفریق مذہب و ملت ہر مکتبِ فکر کے حضرات آپ کی مجلس میں شریک ہوتے تھے اور ہر ایک آپ کی ذاکری و خطابت کا گرویدہ دکھائی دیتا تھا۔

اس طرح امروہہ میں محلہ سٹی کے امام باڑہ میں ماہ محرم کے آخر میں عشرۂ ثانی پڑھا کرتے تھے۔

دہلی میں جناب سید عاشق عباس صاحب رضوی کے دولت کدہ پر یادگار عشرۂ اربعین سے خطاب کیا کرتے تھے۔

سرسی میں عشرۂ محرم و عشرۂ ماہ صفر و ماہ مبارک کے دوران مختلف مقامات کی بڑی مجلس سے مولانا ہی خطاب فرمایا کرتے تھے۔ جناب سید وصی رسول صاحب رئیس و چیئرمین ٹاؤن سرسی کے دولت کدہ کی ۱۲ رمضان المبارک کی یادگار مجلس و عشرۂ اربعین کی ۱۷ ر صفر کی مجلس تابوت امام رضا علیہ السلام، جامع مسجد کی ۲۱ ر رمضان المبارک کی تاریخی مجلس تابوت امیرالمومنینؑ حلوائی برادری کی طرف سے عشرۂ ثانی کی ۱۰ ر صفر کی آخری مجلس، جناب سید مشرف حسین صاحب مرحوم کے یہاں عشرۂ اربعین کی ۱۹ ر صفر کی عظیم الشان مجلس۔ ملک میں سید منتظر حسین صاحب رئیس کے

اور ہمیشہ یاد تازہ رہے گی۔ دینی افادیت کے اعتبار سے مومنین کرام کے لیے مجالس کی یہ کتاب ایک علمی تحفہ ہے اور ابنائے وطن سرسی کے لیے ایک ایسا آئینہ ذکر ہے کہ جس میں حضرت محترم مولانا سیّد شاکر حسین صاحب قبلہ کی پُر وقار تصویر نظر آتی ہے۔ اسلاف کی یادگار باقی رکھنا حیاتِ ملی کی نشانی ہے

عادات وخصائل سادہ لباس، دوپلی لکھنوی ٹوپی، اچکن اور ہاتھ میں چھڑی آپ کی وضع تھی۔ خاکساری و انکساری کا مجسمہ، خودداری کا پیکر، عالم با عمل، نہایت خلیق، شیریں مقال، لالچ سے دور، ایثار و صلۂ رحمی، غریبوں، بیواؤں، یتیموں کی پوشیدہ طور پر امداد آپ کا شعار تھا۔ صاحبان دولت وثروت کے سامنے نہ جھکتے تھے اور نہ بے جا خوشامد کرتے تھے اور آپ کا عمل مثالیہ تھا۔

خدمات مدرسہ مکتب کا قیام اور سالانہ یادگار مجالس کا انعقاد آپ کی یادگار خدمات ہیں۔ اپنے دولت کدہ پر درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا اور زندگی بھر یہ سلسلہ جاری رکھا۔ اور بستی کے ہر سن و سال کے افراد نے بلا تفریق مذہب آپ سے استفادہ کیا۔ علم طب سے بھی گہرا لگاؤ تھا اور مکان پر ہی مریضوں کو دیکھا کرتے تھے اور بلا معاوضہ یہ تمام خدمات انجام دیتے تھے۔

پسماندگان مولانا کی ۵ اولادیں مولانا سیّد صابر حسین، سیّد

ناصر حسین، پروفیسر مولانا سید ذاکر حسین پنجاب یونیورسٹی پٹیالہ (بھارت) سید ناظر حسین، سید طاہر حسین موجود ہیں۔ تمام اولاد نیک وصالح ہے۔ لیکن مولانا کی ذاکری وخطابت کا لب ولہجہ مولانا سید صابر حسین مدظلہ، کو ورثہ میں عطا ہوا ہے اور اس وقت پاکستان کے بلند پایہ مقررین میں شمار ہوتا ہے۔

مولانا مرحوم کی عمر نے وفا نہ کی اور مئی ۱۹۴۷ء مطابق ۱۶ر جمادی الثانی ۱۳۶۶ھ میں صرف ۵۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

التماس سورۂ فاتحہ

○

خُطبہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمْ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ اِبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْنَ الْمَظْلُوْمِیْنَ مِنْ یَوْمِنَا ہٰذَا اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ : اَمَّا بَعْدُ :

مجلس ۱

قَالَ اللّٰهُ الْكَرِيْمُ فِيْ كِتَابِهِ الْعَظِيْم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَ اَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَ نِسَاءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۔

بے شک اللہ کے نزدیک عیسٰیؑ کی مثال آدمؑ جیسی ہے کہ ان کو تراب سے خلق کیا پھر کُن کہتے ہی عالمِ وجود میں آ گئے ۔اے رسولؐ! یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے تو کہیں تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا پس اس علم آ جانے کے بعد بھی تم سے عیسٰیؑ کے بارے میں حجت کرے تو تم اس سے یہ کہو کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو تم اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو تم اپنی عورتوں کو، ہم اپنے نفسوں کو تم اپنے نفسوں کو بلا لیں ۔اس کے بعد ہم سب مل کر اس کی جناب میں گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں ۔

جناب باری عزاسمہٗ نے جناب آدمؑ کو نظیر قرار دیا ہے جناب عیسٰیؑ کا ۔اگر یہود و نصاریٰ اہل نظر ہوتے تو خاموش ہو جاتے مگر وہ تو ہٹ دھرم تھے اپنی ضد پر اڑے رہے حالانکہ صرف اس جملہ میں

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ میں دونوں کے خیال کی تردید ہے کہ اگر بلا باپ کے پیدا ہونا ابن اللہ ہونے کی تمہارے نزدیک مکمل دلیل ہے تو آدمؑ تو بلا ماں باپ کے خلق ہوئے ہیں لہذا ان کو تو بدرجہ اولیٰ ابن اللہ یا اللہ ہونا چاہیئے۔ لیکن وہ کب ماننے والے تھے وہی رٹ لگائے گئے۔

حالانکہ خلائق عالم نے انبیاء کے گروہ کو عوام کی خلقت سے ہی علیحدہ کر دیا ہے۔ عامۃ الناس کی خلقت اور حیثیت کی ہے اور انبیاء کی اور شان کی۔ عامۃ الناس کچھ اسباب کے محتاج ہیں۔ جب تک وہ اسباب فراہم نہ ہوں بچہ کا وجود نہیں ہو سکتا۔ بلا اجتماع مرد و عورت بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ممکن ہوتا تو جناب آدمؑ کے علاوہ عوام میں کوئی اور بھی نظیر ہوتی مگر اب تک تو ہے نہیں۔ جس کی عقل یہ نتیجہ نکالتی ہے کہ آئندہ بھی نہ ہو۔ دوسرے عوام کی خلقت تدریجی ہوتی ہے جیسا کہ حکماء اور قرآن مجید دونوں اس مقام پر متحد ہیں۔ پہلے نطفہ بنا پھر علقہ بنا پھر مضغہ بنا پھر ہڈیاں بنیں پھر ہڈیوں کو وہ لباس قدرت نے پہنایا جس کے تبدیل کرنے کی نوبت نہ آئی زمانے نے کتنے ہی رنگ بدلے مگر اس لباس کا رنگ نہ بدلا۔ بچپن میں وہی رہا جوانی میں وہی بڑھاپے میں بھی وہی۔ تیسرا سبب شکم مادر میں غذا کا پہنچنا۔ اگر کسی بچہ کو شکمِ مادر میں غذا نہ ملے تو وہ بھی عالم وجود میں نہیں آسکتا۔ یہی وجہ تو ہے کہ حکیم مطلق اسی خون نجس کو بذریعہ انتقال طاہر کر کے شکمِ مادر سے

شکمِ طفل میں منتقل کرتا ہے۔ جس وقت یہ اسباب فراہم ہو جاتے ہیں تب کہیں دامن امید بھرتا ہے لیکن انبیاء علیہم السلام ان اسباب کے محتاج نہیں نہ ان کو سن کی احتیاج ہے نہ وہ زمانے کے پابند ہیں نہ انہیں شکمِ مادر میں غذا کی ضرورت ہے۔ عوام کے یہاں اگر کوئی عورت یائسہ ہو جائے تو پھر اس کے بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسی وقت تک اولاد کی آس لگی رہتی ہے جب تک یائسہ نہیں ہوتی۔ ادھر یائسہ ہوئی اور اولاد کی آس ٹوٹی اور جو ابتدا ہی سے عقیم ہوتی ہیں ان کے اولاد ہوتی ہی نہیں۔ عامۃ الناس کے یہاں ایام ماہواری کا اعتدال کے ساتھ جاری رہنا اولاد ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب ہے لیکن انبیاء علیہم السلام اس کے بھی محتاج نہیں۔ ان کے یہاں تو قدرت نے اس علت کو ہی دور کر دیا ہے۔ چنانچہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے جس کو سید علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ میں نقل کیا ہے۔ وعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما سمیت الفاطمۃ البتول لانہا تبلیت من الحیض والنفاس لان ذالک عیبٌ فی البنات الانبیاء او قال نقصان۔ جناب ختمی مرتبتؐ کا ارشاد ہے کہ فاطمہؑ کا نام بتول اسی سبب سے ہوا ہے کہ وہ حیض و نفاس سے بالکل پاک تھیں۔ کیونکہ یہ پیغمبروں کی بیٹیوں میں عیب یا بروایتے دیگر نقص ہے۔ عوام کی عورتیں یا خاص کی۔ حتیٰ کہ انبیاء کی بیبیاں بھی اس عیب سے بری

بری نہیں یہ نقص ان میں بھی پایا جاتا ہے۔

خلاقِ عالم نے کل عالم کی عورتوں کو ان ایام مخصوصہ میں نجس قرار دیا ہے اور اتنی نجس ہوگئیں کہ اپنا اور اپنے رسولؐ اور اپنے رسولؐ کے اہلبیت کا ذکر بھی سننا پسند نہیں کرتا ان ایام مخصوصہ میں نماز بھی معاف کردی۔ ان ایام مخصوصہ میں جملہ عورتیں باستثنائے بناتِ انبیاء حتیٰ کہ ازواج رسولؐ بھی مسجد نبوی اور مسجد الحرام میں داخل نہیں ہوسکتیں۔ وہ مقام طاہر جو رسولؐ کی طرف منسوب ہے اس میں تو کوئی زوجہ آ نہیں سکتی چہ جائیکہ چادر تطہیر میں ان ایام مخصوصہ میں آیۂ تطہیر ازواج رسولؐ پر صادق نہیں آتی حالانکہ کون عالم نہیں جانتا کہ آیۂ تطہیر میں مضارع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ جس میں حال اور استقبال دو زمانے پائے جاتے ہیں۔ اور استقبال میں سے ایک پل بھی بغیر حال کے پل کے طے کیے ہوئے گزر نہیں سکتا اور ازواج رسولؐ کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس روز طہارت سے علیحدہ رہتی تھیں تو کیا اب بھی عقل انسانی و ایمانی یُطَہِّرَکُمْ کا لباس ایسی عورتوں کو پہنا سکتی ہے۔ جن کی حالت ہر مہینے میں بدلتی رہتی ہو۔ آیۂ تطہیر میں جن افراد کو قدرت نے مراد لیا ہے وہ وہ مقدس ہستیاں ہیں کہ زمانے میں ایک پل کے لئے بھی طہارت ان سے علیحدہ نہیں ہوسکتی، طہارت ان کے وجود کے ساتھ عطا ہوتی ہے۔ جب ہی تو ہر وقت، ہر لحظہ، ہر سیکنڈ، ہر منٹ، ہر پل دوسروں کو طاہر کر کے طاہر مقام پر پہنچانے

کے ذمہ دار ہیں۔ آخر فاطمہ میں کون سی ایسی خصوصیت تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یوں فرمانا پڑا کہ اگر علی نہ ہوتے تو فاطمہ کا کوئی کفو نہ تھا حالانکہ اور لڑکیاں بھی بتاتی جاتی ہیں۔ اور بقول مخبر صادق بنات انبیاءؑ ایام ماہواری اور ایام ولادت کی نجاست سے پاک و پاکیزہ ہوتی ہیں۔ اگر صلب رسالت مآبؐ سے ہوتیں، تو یقیناً وہ بھی ان عیوب سے پاک ہوتیں اور ضرور رسالت مآبؐ فرماتے کہ اگر فلاں نہ ہوتا تو رقیہ و زینب و کلثوم رضی اللہ عنہا کا کوئی کفو نہ تھا حالانکہ کوئی حدیث وضعی ہی ملتی۔ مگر حق پر لاکھ پردہ ڈالا جائے۔ وہ چھپا نہیں کرتا۔ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا کفو تلاش کرنے کی یوں ہی ضرورت پڑی کہ یہ بے عیب بی بی ہے اس کا شوہر بھی ایسا ہی ہونا چاہیے کہ جس کے اندر نگاہِ قدرت میں کوئی عیب نہ ہو اگر دشمن بھی عیب نکالنا چاہیں تو نہ نکال سکیں۔ خانہ کعبہ میں ولادت اسی لیے ہوئی تھی کہ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ فاطمہ بنتِ اسد اس عیب و نقص سے بری تھیں جن سے دیگر عورتیں بری نہیں ہوتیں ورنہ پھر کعبہ کی طہارت میں کلام ہوگا۔ اگر کعبہ طاہر رہا اور یقیناً رہا تو وہ بی بی کیسی طاہرہ ہوگی جو کعبہ کے اندر بلائی گئی اور تین دن تک مہمان رکھی گئی۔ خدا کے گھر میں مہمان تھیں، کریم کے گھر مہمان تھیں جو کچھ کرم ہو تھوڑا ہے۔ رحمٰن کے یہاں مدعو ہیں، جو کچھ رحمت کی فراوانی ہو وہ رحیم کے نزدیک کیا ہے ارباب سیر متفق ہیں کہ بنت اسد تین دن تک کعبہ کے اندر رہیں چوتھے

روز خدا کے گھر سے مولود کو لے کر برآمد ہوتی ہیں۔ کیا کسی عقلِ سلیم کو ایسے کریم سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ اپنے مہمان کو بے آب و غذا کے رکھے۔ اس مقام پر قرآن کریم نے جو دوزخ و بہشت کے رنگوں کی گفتگو نقل کی ہے اسے عرض کر دینا ضروری ہے۔

وَنَادٰی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَی الْكٰفِرِیْنَ

"اور دوزخی اہل جنت سے کہیں گے کہ ہمیں تھوڑا سا پانی ہی دے دو اُن نعمتوں میں سے جو اللہ نے تمہیں از قسم رزق عنایت فرمائی ہیں تو اہل جنت دوزخیوں کو جواب دیں گے کہ اللہ نے کافرین کے لیے اشیاء کو حرام کر دیا ہے۔"

اور بیت اللہ میں اللہ نے ولی اللہ کی ماں کے واسطے بہشتی میوے، کوثر کا پانی بھیجا، حوریں خدمت کے لیے بھیجیں اگر وہ معاذ اللہ کافرہ ہوتیں تو کبھی بہشتی اشیاء نہ آتیں اور نہ حوریں خدمت گزاری کر آتیں۔ اللہ نے لڑکا اپنے گھر سے دیا اور لڑکی رسول کی دونوں کو اپنی تجویز سے ملایا نسل میں وہ برکت دی کہ دنیا والوں کی تیز تلواریں کاٹتے کاٹتے کند ہو گئیں مگر سیدہ کی نسل ختم نہ ہوئی۔

بہرحال لسانِ ختمی مرتبت نے بنات انبیاء کو اس عیب و نقص سے بری فرمایا ہے۔ جس میں کل عورتیں ہر مہینے میں ملوث ہو جاتی ہیں۔ اور ازواج انبیاء اس عیب سے منزہ نہیں اور یہ بھی مسلم ہے کہ ہر نبی

کی بیوی بنتِ نبی بنہ تھی اور کل انبیاءؑ شکم مادر میں اس غذا سے پرورش نہیں پاتے جس سے عوام تربیت پاتے ہیں۔ قرآن مجید نے کل انبیاءؑ کی پیدائش کو بیان نہیں کیا ہے صرف بعض کی ولادت کا اظہار کیا ہے اگر قرآن مجید سب کی ولادت کو بیان کرتا تو انجیل کی طرح سے سوانحعری ہو کر رہ جاتا۔ اس گروہ میں سے بعض کی ولادت کا بیان گویا کل کی پیدائش کا حال ہے۔ چنانچہ سورۂ مریم میں خلاق عالم نے جناب یحییٰؑ کی ولادت کا تذکرہ کیا ہے۔ جناب زکریاؑ بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں۔ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآئِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ہ اے میرے معبود! میں اپنے مرنے کے بعد اپنے وارثوں سے ڈرتا ہوں تو اپنی بارگاہ سے مجھ کو ایک ولی عنایت فرما تاکہ وہ میرا اور آلِ یعقوبؑ کا وارث ہو۔ اور اس کو اپنا پسندیدہ قرار دے۔

معلوم ہوا کہ انبیاءؑ کے وارث ہوتے ہیں۔ لہٰذا اب نہ کہنا کہ انبیاء کے وارث نہیں ہوتے۔

اہل لغت ولی کے معنیٰ کچھ ہی بیان کریں پیغمبر اپنی اصطلاح میں ولی اس کو کہتا ہے جو اس کے مرنے کے بعد اس کا وارث ہو اور وارث اشیاءِ متروکہ پر پورے طور پر قابض و متصرف ہوتا ہے اگر اسباب خارجی مانع نہ ہوں۔ جناب ختمی مرتبتؐ کا فرمانا اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ

وانهما لن یفترقا حتی یرد علیّ الحوض ۔ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب ہے اور دوسری میری عترت واہلبیتؑ ہیں ۔ اگر تم ان دونوں سے متمسک رہے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور ان میں جدائی نہ ہوگی حتیٰ کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچیں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ترکہ اگر تھا تو یہ باقی تمام اشیاء کا انتظام اپنی زندگی میں کر گئے تھے اگر کچھ اور بھی ہوتا تو ضرور فرماتے اور ان دونوں کو ایسا توام قرار دیا کہ حوضِ کوثر تک جدائی محال ہے اب یہ امّت کی قدردانی ہے کہ قرآن کو صدقہ قرار دے یا اہلبیت کو۔

الغرض جناب زکریاؑ کو جناب یحییٰؑ کی بشارت دی گئی تو پھر استعجاباً عرض کرتے ہیں قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ۔ اے میرے پالنے والے میرے یہاں کیونکر لڑکا پیدا ہوگا حالانکہ میری بیوی بھی بانجھ ہے اور میں بھی نہایت ضعیف ہوگیا ہوں ۔ قَالَ کَذٰلِکَ ارشاد ہوا جو کچھ تم کہہ رہے ہو یونہی ہے ۔ قَالَ رَبُّکَ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا ۔ مگر یہ ہمارے لیے آسان ہے ذرا اپنی خلقت پر تو غور کرو جبکہ تم کچھ نہ تھے اس نے پیدا کر دیا تو اس سن میں لڑکا دینا کیا دشوار ہے ۔

دنیا میں جو تھوڑی سی عقل بھی رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ بانجھ کے اولاد نہیں ہوا کرتی ۔ اس لیے کہ بانجھ کے یہاں وہ سبب ہی ختم

ہو جاتا ہے جس سے شکم میں پرورش ہو سکے۔

پھر سورۂ انبیاء میں جناب زکریاؑ کے قصے کو دہرایا گیا اور ان کی ندا کا قدرت نے جواب دیا:۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ہم نے زکریاؑ کی دعا قبول کی اور یحییٰ سا لڑکا عنایت فرمایا اور ہم نے ان کی بیوی کو صالح بنا دیا۔ و اصلحنا زوجہٗ یہ فقرہ مقام فضیلت میں ہے نہ یہ کہ وہ پہلے بری تھیں اب ان کو نیک بنا دیا بلکہ قدرت نے اظہار کیا ہے کہ ہمارے کل پیغمبر صالح ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کا قول ہے۔ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ یہ گروہ کل صالحین کا تھا فرق امت میں اور پیغمبر میں یہ ہے کہ امتی تو عمل کر کے صالح ہوتا ہے اور پیغمبر حین ولادت سے صالح ہوتا ہے وہ پیدا ہی صالح ہوتا ہے۔ اگر زوجۂ زکریاؑ پہلے سے قدرت کی بنائی صالح نہ ہوتیں تو یحییٰ سا صالح پیغمبر کیوں کر ان کے بطن سے پیدا ہو سکتا تھا۔ بس یوں ہی اگر بنتِ اسد پہلے سے صالح نہ ہوتیں تو ان کے بطن سے صالح المومنین کیوں کر پیدا ہو سکتا تھا۔

بہرحال بناتِ انبیاء سے قدرت نے اس عیب کو دور رکھا۔ تو اگر ازواجِ پیغمبر میں سے کسی کو یہ حوصلہ ہو کہ فاطمہؑ کا مقابلہ کرے تو اس کو چاہیے کہ پہلے اس عیب کو قدرت سے دور کرائے تب کہیں چادرِ تطہیر میں قدم رکھنے کی ہمت کرے۔ کیونکہ سنتِ الٰہی یہی رہی ہے کہ قدرت نے

جس کو سرداری کے واسطے منتخب کیا اس کی حقانیت کی پہلی دلیل اس کی ولادت کو قرار دیا۔ وہ کتاب کی آیتوں کا محتاج نہیں ہوتا۔ وہ خبیر و بصیر جانتا تھا کہ امت کے لوگ ایک ایک لفظ کے بہت سے معنی بیان کریں گے اور فخر الدین جیسی ہستیاں تو ایک ایک لفظ میں سینکڑوں احتمالات بیان کر دیں گی۔ لہٰذا اس نے اپنے نائبوں کو الفاظ کا محتاج نہیں رکھا بلکہ یہ کلیہ مقرر کر دیا قضیہ نہیں کہ جس کی ولادت بطور اعجاز ہو وہ ہماری طرف سے ہدایت کرنے کا مدعی ہو۔ فاطمہؑ بھی بقول مخبر صادق سیدۃ نساء العالمین ہیں۔ مودۃ القربیٰ میں یہ حدیث منقول ہے کہ فاطمہؑ تمام عالم کی عورتوں کی سردار ہیں۔ اور یہ سب کو تسلیم ہے اور نبانی تو سب ہی مقر ہیں خواہ دل سے انکار کریں اور یہ تاج سرداری امت کا دیا ہوا نہیں یہ قدرتی انتخاب ہے تو جناب سیدۂ طاہرہ بھی اس غذا سے شکم خدیجۃ الکبریٰ میں نہیں پلیں جس سے عام بچے پرورش پاتے ہیں۔ ورنہ سیدۂ عالیہ کو قدرت کی طرف سے سرداری نہیں مل سکتی۔

جناب زکریاؑ کی زوجہ کے متعلق قدرت کا اَصْلَحْنَا لَہٗ زَوْجَہٗ استعمال کرنا بلا وجہ نہیں ہے۔ اولاً تو صلح خود ہی متعدی ہے لازم نہیں۔ پھر باب افعال میں لے جا کر اصلاح کا لفظ استعمال کرنا اور متعدی کو متعدی بنانا اس میں کوئی خاص رمز ہے۔ اصلاح جس کی ضد افساد ہے صلاح جس کی ضد فساد ہے اگر صلحنا ہوتا تو بھی ہم سمجھ لیتے کہ فساد ممکن ہے۔ اور

جس وقت اصلحنا استعمال ہوا تو اس کے معنی سوائے اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ جتنے فسادات تصور انسانی میں عورت کے متعلق آسکتے ہیں ان سب کی قدرت نے اصلاح کر دی خواہ فساد ظاہری ہوں یا فساد باطنی۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ قدرت کو جس زوجۂ نبی سے اپنا کوئی ولی یا ہادی خلق کرنا مقصود ہوا اس کی پہلے اصلاح ہوئی یا اس کو اس سن میں وہ لڑکا عنایت فرمایا جو حد فساد سے گزر چکا تھا۔ اس کی اصلاح کی ضرورت نہ تھی۔ عام عورتیں پچاس سال کے بعد قابل اولاد نہیں رہتیں اور قرشی ساٹھ سال کے بعد۔ جناب سارہ کے یہاں نوے سال میں جناب اسحٰق پیدا ہوئے اور جناب ابراہیمؑ کی عمر ایک سو بیس سال کی ہو چکی تھی۔ جناب سارہ کے قول کی قرآن نے حکایت کی ہے۔ قَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ضعیف العمری کے علاوہ عقیم ہونے کو خود تسلیم کرتی ہیں یعنی اس سن کو پہنچ چکی تھیں کہ جو عیب عام عورتوں کو ہر مہینے لاحق ہوتا ہے۔ اب آئندہ عمر میں ممکن ہی نہ تھا۔ لہٰذا جو بچہ اس سن میں پیدا ہوا وہ حامل وحی ہوا اور جناب مریم کے واسطے اصلحنا کہنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ تو بناتِ انبیاء میں سے تھیں جو ہر عیب سے پاک و پاکیزہ تھیں۔

قرآن مجید کوئی ولادت نامہ نہیں ہے محض ارباب بصیرت کی ہدایت کے واسطے بعض ہادیوں کی ولادت بیان کی گئی ہے تاکہ دنیا والے آسانی کے ساتھ ہادی منصوص من اللہ کو پہچان سکیں کہ قدرت کی طرف

سے ہدایت کے منصب پر وہ فائز ہو سکتا ہے جو اتنا طاہر الولادت ہو
کہ اس کے ماں باپ میں بھی کوئی ظاہری اور باطنی عیب نہ پایا جاتا ہو
اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ
کُنْ فَیَکُوْنُ ۔ خلقت میں اللہ کے نزدیک عیسٰیؑ کی مثال ایسی ہی ہے ، جیسے
آدمؑ کی کہ ان کو تراب سے خلق کیا اور پھر کن کہتے ہی آدمؑ کا وجود ہو گیا
آدمؑ بشر تھے مگر کیسے بشر، ترابی بشر ۔ اللہ اللہ کیا فضیلت
مقام ہے کہ اگر کوئی بے شر بشر ہو اور تراب کی طرف منسوب ہو جائے
تو خلافت الٰہیہ پر فائز ہو جائے اور اس کی سلطنت ایسی رعب و داب
کی ہو کہ ملائکہ کی پیشانیاں جس کے سامنے خم ہوں ۔ ملائکہ نے کوئی اعترا
نہیں کیا۔ کہ آدمؑ میں سلطنت کی قابلیت نہیں یا آدمؑ کا دماغ سیاسی
نہیں ۔ بادی النظر میں تو آدمؑ کا زمانہ رضاعت کا زمانہ کہنا چاہیے
لیکن ان پر ملائکہ نے یہ الزام عائد نہیں کیا کہ یہ بچے ہیں اور ہم کبیر السن
ہیں یا جناب آدمؑ کے ایمان میں کوئی نقص نکالا ہو کہ ان کا ایمان مکمل
کیسے ہو سکتا ہے ۔ یہ تو ابھی پیدا ہوئے ہیں ۔ مومن تھے ، جانتے
تھے کہ حجت خدا پیدا ہونے کے بعد ایمان نہیں لاتا وہ پیدا ہی مومن ہوتا
ہے ایمان لانا وہاں کہا جائے گا جہاں پہلے شرک و کفر دونوں ہوں ۔ خدا
کا ساتھی تو بہت سوں کو بنا ہی رکھا تھا اس کے رسول کا بھی انکار کرنے
لگے ۔ اب کسی مصلحت سے اقرار کرنا پڑا تو یہ ایمان نہیں بلکہ اسلام ہے
ایمان تو مشتق ہے امن سے جو پہلے امن کو قائم کرلیں اور مومن ہونے کا

دعویٰ کریں۔ کوئی قبیلہ صرف اس خیال سے زکوٰۃ نہ دے کہ انہیں کوئی مجاز نہیں اور اقرار وحدانیت و رسالت کر رہا ہو اس پر بھی ان کو قتل کر دیا اور ایمان ہاتھ سے نہ جائے۔ رسول اللہ کی لختِ جگر پہلو شکستہ ہو اور ایمان ہاتھ سے نہ جائے۔ ابوذر جیسے مومن صحابی جلا وطن کر دیئے جائیں اور مومن رہیں۔ خدا ایسے ایمان کو سلامت رکھے۔

بہر حال جبکہ عیسیٰؑ کو خلقت میں نظیر قرار دیا ہے جناب آدمؑ کی تو آدمؑ بھی ترابی اور جناب عیسیٰؑ بھی ترابی، وہ بھی حجتِ خدا یہ بھی حجتِ الہٰی۔ تو ابوتراب تو بدرجہ اولیٰ حجت الہٰی ہونے کے لائق ہے۔ جناب مریم بنتِ نبی ہی نہیں بلکہ بنتِ رسول ہیں۔ جناب عمرانؑ بقول امام محمد باقر علیہ السلام رسول ہیں۔ بنی اسرائیل کو جہاں اور نعمتیں ملیں وہاں ایک نعمت یہ بھی ملی کہ ان میں ایک رسول صاحبِ کتاب ایسا ہوا جو اب تک موجود ہے اور فلک نشین ہے لہٰذا جن کا ایمان ہے کہ حضور اکرمؐ سردارِ انبیاء رہیں اور اتممت علیکم نعمتی کی سند بھی حضورؐ کے پاس ہے تو یہ نعمت بھی ملنی ضروری ہے کہ اولادِ رسول میں بنت رسول مریم کبریٰ صدیقہ طاہرہ کی اولاد میں بھی ایک ایسا فرزند ہونا چاہیئے۔ جو کم از کم جناب عیسیٰؑ کی عمر کا مقابلہ کر سکے لہٰذا جن لوگوں نے اتممت علیکم نعمتی کا کفران نہیں کیا اور شکرانِ نعمت کیا ہے ان کے نزدیک اب بھی اولادِ رسول میں سے ایک ایسی ہستی باقی ہے جن کے قدم سے زمین و آسمان قائم ہے۔ قائم کا اٹھنا ہی تو قیامت ہے

عشکیں کے واسطے قیامت دوستوں کے لیے راحت سرمن رائے کے غار کا قیام بتلاتا ہے کہ حقیقی سرور انہیں کی سلطنت میں ملے گا۔ کیونکہ عادل کی حکومت ہوگی دارالسلطنت کوفہ ہوگا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یا مدینہ ہوتا یا مکہ مگر نہیں دنیا کو دکھلانا مقصود ہے کہ جہاں سے سلطنت عادلہ کی ابتدا ہوئی تھی اور لوگوں نے سلطان عادل پر الزام لگایا تھا کہ عقل میں سلطنت کرنے کی قابلیت نہیں اسی مقام پر پوتہ پھر سلطنت عادلہ کی بنیاد قائم کرے۔ اور یہ ایسے وقت میں علم سلطنت بلند کریں گے کہ بقول مخبر صادق جبکہ کل زمین ظلم و جور سے پُر ہوگی۔ ایسے پُر آشوب زمانہ میں ظاہر ہو کر " الارض " یعنی کل زمین سے ظلم دور کرکے اور وہ بھی عدل کے ساتھ زمین کو عدل و داد سے بھر دے تو اس کے آباؤ اجداد میں تو بدرجہ اولیٰ قابلیت تھی کہ دنیا سے ظلم مٹ جاتا اگر دنیا کے لوگ عادلے کی حکومت کو تسلیم کر لیتے۔ مگر دنیا والوں نے کیا خوب قدر کی کسی کو محراب مسجد میں شہید کر ڈالا کسی کو زہر دغا پلا کر ہلاک کر دیا۔ کلیجہ کے ٹکڑے کٹ کٹ کر لگن میں گر رہے تھے۔ اور امام حسینؑ کھڑے دیکھ رہے تھے امام حسنؑ خون کی قے کر رہے ہیں اور زینب جیسی بہن کھڑی ہوئی دیکھ رہی ہیں۔ اے میری شہزادی! خون دیکھ کر گھبراتا نہیں تسلی دینے والے عباسؑ و حسینؑ جیسے بھائی موجود ہیں اور جس وقت حسینؑ کا خون مقتل میں دیکھنے آؤگی تو آپ کو تسلی دینے والا کوئی نہ ہوگا۔ عابد بیمار کی تسلی دینے والی، آپ یتیموں کی بہلانے والی، بیواؤں کو سمجھانے والی، بھائیوں

بھتیجوں کی لاشوں پر رونے والی ایک اکیلی کیا کیا کریں۔ امام حسنؑ کا آخری وقت ہے۔ حسینؑ آئے اور بھائی پر اپنے آپ کو گرا دیا۔ دونوں بھائی ہمیشہ کے لیے جدا ہوتے ہیں۔ اب دنیا میں ملاقات نہ ہوگی۔ اولاد موجود ہے۔ حسینؑ کے سپرد کیا جا رہا ہے، غسل و کفن کی وصیت ہو رہی ہے بھیا حسینؑ نانا کے روضہ میں آخری زیارت کے لیے جانا۔ اور اگر لوگ مانع ہوں تو جنت البقیع میں دفن کر دینا۔ اللہ اللہ کس عالم یاس کا نکلا ہوا کلمہ ہے کہ حضرت کو امت سے اتنی امید بھی نہیں کہ بعد مردن روضہ میں دفن ہوسکیں جو خیال تھا بالکل صحیح ہوا۔ وہاں تو وہ توہین کی گئی کہ جس کی مثال تاریخ میں ملنی مشکل ہے تیروں کی بوچھاڑ کی گئی حتیٰ کہ سات تیر جسم اقدس میں پیوست ہوگئے یہ حسینؑ ہی کا کلیجہ تھا کہ بگڑے ہوئے ہاشمیوں کو مع جنازہ کے بقیع کی طرف موڑ دیا۔ قبر بنی اور حسینؑ جیسے بھائی کے سامنے بنی۔ سب بھائیوں نے مٹی دی۔ جس شان سے امام حسنؑ کا جنازہ اٹھا بنی ہاشم میں کسی کا نہ اٹھ سکا۔ کیونکہ حسینؑ کا گھر بھرا ہوا تھا سب موجود تھے اولاد عقیل اولاد جعفر اولاد علیؑ ان حضرات کی موجودگی میں جتنا بھی تجہیز و تکفین میں اہتمام ہوتا کم تھا۔ لیکن کربلا میں حسینؑ کا جنازہ اٹھانے والا کون تھا۔ ایک بیمار بیٹا امت نے باقی چھوڑ دیا تھا اسے اپنی ہی خبر نہ تھی میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس یتیم کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاتا اس وقت تک کہ قافلہ کوفہ کو روانہ ہو تو بیمار کربلا اپنے عمامہ کا کفن دیتے یا زینب اپنی چادر کا کفن دیتیں وہاں تو نہ چادر ہی رہی نہ بیمار کے پاس عمامہ رہا۔

مجلس ۲ قَالَ اللّٰهُ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ فِیْ کَلَامِهِ الْعَظِیْمِ ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ : اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہلِ ذکر سے معلوم کرو۔

ارباب عقل کو معلوم ہے کہ ذرہ سے لے کر عرش تک کوئی اس کی حکومت سے باہر نہیں۔ ذرہ ذرہ پر تخلیق الہٰی کی مہر لگی ہوئی ہے اور ذرہ اس کی ایک نشانی ہے اور ہر ذرہ لسان ملکوتی سے اس کی تسبیح خواں ہے۔ کوئی دامن گل پر مصلیٰ بچھائے اس کی یاد میں ہے کہیں طائرانِ خوش الحان مختلف بولیوں میں اس کی مدح رطب اللسان ہیں۔ ہوا کی فضا میں نمازیوں کی صفیں بندھی ہوئی ہیں والطیر صافات۔ ساکنانِ بزم بحر بھی اس کی یاد سے خالی نہیں، کوئی دامنِ موج پر مصلیٰ بچھائے ہوئے اس کی تحمید و تمجید میں مصروف ہے کوئی گرداب بحر میں مقید ہے مگر زبان پر اس کی تسبیح ہے۔ و میں کوئی انسان ہے جو چلتے پانی کا مقابلہ کر سکے انسان تو چیز کیا ہے اگر آب رواں کی روانی حد اعتدال سے بڑھ جائے تو بلند پہاڑوں کے قدم اکھڑ جائیں۔ پہاڑوں پر پناہ لینے والوں کا کہیں پتہ بھی نہ چلے لیکن وہی جانتے کہ ماہیانِ بحر کے نازک پروں میں اتنی طاقت دے دی کہ چڑھتے ہوئے دریا کی موجوں کو ہٹاتی ہوئی نکل جاتی ہے۔ نہ کہیں روک ہے نہ کہیں ٹوک ہے۔ ہم نے تو سی

عقلمند کو سنا نہیں کہ کسی نے بھی اس مچھلی کی طاقت پر استعجاب کیا
ہو۔ اگر کسی کو حیرانی ہو بھی تو عقل جو ہر انسان کے پاس ایک رہبر باطنی
ہے وہ خود کہہ دیتی ہے کہ یہ زور مچھلی کا اکتسابی نہیں بلکہ عطیۂ الٰہی
ہے۔ پھر اگر کوئی جَو کی روٹی کھانے والا باب خیبر کو اکھاڑ لے تو
کون سے تعجب کی بات ہے۔ جبکہ حضرت نے خود ہی ارشاد فرمایا تھا کہ
یہ میری قوت نہیں تھی یہ تو قوتِ ربانی تھی۔" مگر ہاتھوں میں علیؑ ہی کے تھی
بہر حال حریم قدس کے رہنے والے ہوں تو ارضی مخلوق ہو تو فلکی ملک
ہوں تو سب ہی کو قدرت کا حکم ہے فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ۔ تم
سب اہلِ ذکر سے سوال کرو۔ آیۂ مبارکہ میں کسی خاص امر کا تذکرہ نہیں
ہے عام اعلان ہے خواہ امر دنیا ہو تو مسائل دین ہوں تو سوائے
اہلِ ذکر کے اور کسی سے دریافت نہ کرو۔ سوال کے جتنے دروازے
کھلے ہوئے تھے قدرت نے سب بند کر دئے ایک اہل ذکر کا دروازہ
جب سے اس نے کھولا کبھی بند نہیں کیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ
اہل ذکر کو دنیا والے خود جان کر چھوڑ دیں۔ چشمہ جاری ہو اور پیاسا
سیراب نہ ہو تو چشمہ کا کوئی قصور نہیں۔ آفتاب عالمتاب ضیا بار ہو
اور کوئی اس سے کسب ضیا نہ کرے تو یہ تو اپنا نقصان ہے۔ چشمۂ
آفتاب کے نور میں کوئی کمی نہیں ہو سکتی۔ افسوس تو اُن اربابِ تحقیق
پر ہوتا ہے جنہیں یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اہل ذکر کون ہیں۔ جناب
ختمی مرتبت جنہوں نے بیت الخلاء کے احکام تک مسلمانوں کو بتلا

دیتے کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
بغیر سمجھائے دنیا سے اٹھ گئے۔ پہنچا دیا نام تک بتلا دیئے بازو تھام
کر اشارہ کر کر کے بتلایا رگوں کی پھر بھی سمجھ میں نہ آیا۔

بہرحال میں نہ کسی مفسر کا قول فی الحال پیش کرنا چاہتا ہوں، نہ کسی کے متعلق یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کی رائے غلط ہے۔ اوّلاً عقلی حیثیت سے آیۂ مبارکہ پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ خلّاقِ عالم نے عقل ہر شخص کو عطا فرمائی ہے تا کہ کھرے اور کھوٹے کو پرکھ لے۔ آنکھیں اس لیے دیں کہ راہ کے نشیب و فراز کو دیکھ کر چلے، کہیں ٹھوکر نہ کھائے۔ کان اس لیے دیے کہ اچھی بُری آواز میں تمیز کرے زبان اس لیے عطا ہوئی کہ بامحل چلے، ہاتھ اس لیے دیے کہ کسی مظلوم پر نہ اٹھیں۔ البتہ اس کا کوئی علاج نہیں کہ عقل سے کام نہ لیا جائے اوّلاً فَاسْئَلُوْا کو دیکھنا چاہیئے کہ کہنے والا مخلوق میں سے تو کوئی نہیں ہے خالقِ ارض و سما کہہ رہا ہے۔ اور کچھ سمجھ کر ہی کہہ رہا ہے اور زور کے ساتھ کہتا ہے کہ اے میری تمام مخلوق! خواہ کہیں کی رہنے والی ہو۔ آسمانی مخلوق ہو تو، زمین کی بسنے والی ہو تو، جو کچھ تم نہیں جانتے ہو اہلِ ذکر سے پوچھ لو ماسوا اللہ جتنی مخلوق اس نے خلق فرمائی ہے سب کی سب سائل ہے اور اہلِ ذکر مسئول عنہم ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اہلِ ذکر سے فلاں ہستی مراد ہے، خواہ کوئی ہستی مراد ہو اس سے بحث نہیں مگر عقل یہ کہتی ہے کہ جب سب کہ

فَاسْئَلُوْا کا خطاب عام ہے کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں، ملائکہ ہوں تو، جن ہوں تو، انسان ہوں تو، حیوان ہوں تو۔ اور کسی خاص وقت کی مخلوق نہیں بلکہ قیامت تک جتنی مخلوق ہوگی سب فَاسْئَلُوْا میں داخل ہے کیونکہ آیۂ مبارکہ منسوخ نہیں ہوئی ہے لہٰذا عقل یہ حکم لگاتی ہے کہ اہل ذکر سے مراد وہ ہستیاں ہو سکتی ہیں جو تمام مخلوق الٰہی کی زبانوں سے واقف ہوں۔ اختلاف السنہ پر کسی دلیل کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہ ایک بدیہی امر ہے۔ معمولی عقل والا بھی سمجھتا ہے کہ عالم میں زبانیں مختلف ہیں۔ اور ملکوں کو چھوڑیئے ارباب تحقیق نے بیان کیا ہے کہ صرف ہندوستان میں ایک سو پینتالیس زبانیں بولی جاتی ہیں ——— ہفت زبان ہونا آسان ہے لیکن کیا کوئی انسان اب تک ایسا گذرا ہے جو اتنی زبانوں کا ماہر ہوا ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ اکتساب کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہیں تو گذارش یہ ہے کہ اتنی عمر کہاں سے آئے گی عمر نوحؑ کوئی کہاں سے لائے گا۔ اچھا فرض کر لیجئے کہ عمر نوحؑ بھی ممکن ہے اور ممالک معلومہ کی زبانوں کو کوئی شخص حاصل بھی کر لے تو یہ بھی تو ممکن ہے کہ جس طرح ایک وقت ایسا تھا کہ امریکہ وغیرہ جزیرہ معلوم نہ تھا بعد میں تحقیق ہوا اسی طرح کچھ جزیرے ابھی اور باقی ہوں جن تک ابھی لوگ نہ پہنچے ہوں وہاں کی زبانیں کیونکر معلوم ہوں۔ اچھا میں اسے بھی فرض کئے لیتا ہوں کہ ایک ایسا انسان ممکن ہے جو تمام انسانوں کی زبانوں سے واقف ہو مگر پھر بھی اہل ذکر ہونے کی قابلیت

نہیں۔ کیونکہ جن بھی فاسئلوا کے تحت میں داخل ہیں اس کو بھی تسلیم کیے لیتا ہوں کہ اسی انسان نے سورۂ جنّ کا عمل کر کے جنوں کی زبان بھی حاصل کر لی لیکن آیت کا مصداق پھر بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ملائکہ بھی تو اسی فاسئلوا میں شامل ہیں۔ اچھا اسے بھی فرض کر لیجئے کہ ملائکہ کی زبان بھی حاصل کر لی لیکن اہل ذکر ہونے کی اہلیت پھر بھی نہیں اس لیے کہ حیوانات بھی اسی فاسئلوا میں داخل ہیں۔ مَیں زمانۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے اب تک صرف چودہ ہستیوں کو مستثنیٰ کرتے ہوئے یہ عام طور سے اعلان کرتا ہوں کہ کیا کوئی ایسا انسان دنیا میں گذرا ہے جو تمام حیوانات برّی و بحری کی زبانوں سے واقف ہو اور تمام حیوانوں کی بولیوں کو جانتا ہو۔ بلکہ مَیں تو یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ حیوانات کی زبانوں کا بذریعہ اکتساب حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اس کا بارہا تجربہ ہوا کہ ایک شخص نے ایک طوطا یا مینا کو اپنی صحبت میں رکھ کر تعلیم دی جو کہلوایا اس نے کہا جو پڑھا دیا پڑھ لیا۔ جبر و اکراہ کی تعلیم تھی محبس قفس میں مقید تھا جو سکھا دیا سیکھ لیا۔ مَیں سچ عرض کرتا ہوں اگر یہ طائر چمن میں آزاد ہوتا تو کبھی رُخ بھی نہ کرتا۔ پھر بھی یہ پرندہ قابل مدح ہے کہ جو کچھ انسان نے سکھایا اس نے پڑھ تو لیا مگر انسان اس طویل مدت کی صحبت میں بھی اس حیوان کی زبان سے واقف نہ ہو سکا کہ یہ اپنی زبان میں کیا کہتا ہے۔ علوم جدیدہ کے دلدادہ اور سائنس کی ترقیوں پر تعجب کرنے والے حضرات ذرا غور کریں کہ کسی ذی روح

کی آواز کا کسی ریکارڈ کے اندر جذب کر لینا اور ہے اور اس آواز کے مفہوم کا بتلانا اور ہے۔ مگر باوجود اس جذب آواز کے پھر بھی سائنس کی ترقیاں ابھی کوسوں دُور ہیں۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اب تک سائنس ایسا آلہ تیار نہ کر سکی جو چیونٹی کی آواز کو جذب کر سکے۔ مگر قرآن مجید ایسا آلہ پیش کرنے سے عاجز نہیں۔ یاد کیجئے جناب سلیمان علیہ السلام کا واقعہ جب کہ آپ کا تخت ہوا پہ رواں ہے۔ اس وقت کی گفتگو قرآن مجید حکایت کرتا ہے قالت نملۃٌ یا ایھا النمل ادخلوا مسٰکنکُم لا یَحطِمَنَّکُمْ سلیمان وجنودہ وھم لا یشعرون۔ ایک چیونٹی (سردار) نے اپنی ہم جنس چیونٹیوں سے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں چلی جاؤ سلیمانؑ کا لشکر آ رہا ہے ایسا نہ ہو کہ تمہیں ان کا لشکر پیس دے۔ فَتَبَسَّمَ ضَاحِکًا مِّنْ قَوْلِھَا۔ جناب سلیمان اس چیونٹی کا یہ کلام سن کر مسکرائے۔ اس مقام پر قابلِ غور یہ امر ہے کہ تبسم و ضحک دو لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ ضحک جو انسان ہی کا خاصا ہے اور حیوان میں یہ صفت نہیں ہے عام انسانوں کا تو ذکر نہیں جب چاہا ہنس دے مگر خاص لوگوں کو کسی تعجب پر ہی ہنسی آتی ہے۔ خصوصاً پیغمبر بلا وجہ نہیں ہنس سکتا۔ پھر جناب سلیمانؑ کے واسطے کون سے تعجب کی بات تھی جو آپ نے تبسّم فرمایا۔ اس سے زیادہ تعجب کا مقام کون سا ہوگا کہ آپ کے لشکر میں جنوں کی طاقت بھی ہے انسان بھی موجود ہیں، حیوان بھی حاضر ہیں مگر اتنوں میں کسی کی قوت سامعہ

میں یہ قابلیت نہیں کہ جو چیونٹی کی بولی بھی سمجھ سکتا ہو۔ ارکانِ دولت و اعیانِ حضرت میں علماء بھی ہیں جو سونے کی کرسیوں پر اکڑ بیٹھے ہیں سات سو برس چھ مہینے تک جناب سلیمانؑ کی صحبت میں رہے سوائے ایک کے کوئی اس قابل نہ ہُوا جو پرندوں کی بولیاں بھی جانتا ہو۔ تو اب کہنے دیجئے کہ حیوانوں کی زبان کا حاصل ہو نا ممکن ہے۔ اگر خداوند عالم ہی مخلوقات عالم کی زبانوں کا علم عطا فرما دے تو ممکن ہے اسی وجہ سے جناب سلیمانؑ اعلان کر گئے تھے یا ایھا الناسُ عُلِّمْنا منطق الطَّیرِ و اوتینا من کلِّ شیئٍ اِنَّ ھٰذا لَھُوَ الفضلُ المبین ۔

ایُّھا النّاس ہمیں خدا کے فضل سے پرندوں کی بولیاں معلوم ہیں اور ہمیں ہر شے عطا ہوئی ہے۔ اور یہ خدا کا فضل ہے۔ مَیں نہیں کہہ سکتا کہ آیا جناب سلیمانؑ سیاست جانتے تھے یا نہیں ہاں اتنا ضرور معلوم ہے کہ یہ سلطنت خدا کی عطا کی ہوئی تھی ھٰذا عطاءُنا یہ ہماری عطا ہے کسی اور کی نہیں تب ہی تو قول نمل پر شکر الٰہی ادا کرتے ہیں قال ربِّ اَوزِعنی اَنْ اَشکُرَ نعمتَکَ الَّتیٓ اَنعمتَ عَلَیَّ وَعلیٰ والِدَیَّ پروردگارا! تو مجھے توفیق عطا فرما تاکہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تُو نے مجھ کو اور میرے والدین کو بطور انعام عطا فرمائی۔" یوں تو ہر بندے کو اس کی سیکڑوں نعمتیں ملی ہوئی ہیں ہر نفس ہر دم نعمت ہے وجود [illegible] ہی کیا کم نعمت ہے۔ اس وجود انسان

کی بقا کے اسباب پیدا کر دئے، زمین کو بمنزلہ فرش کے بچھا دیا شامیانۂ عرش کو بلا ستون کے کھینچ دیا۔ آفتاب و ماہتاب کی قندیلیں آویزاں کر دیں۔ ستاروں کے قمقمے لگا دئے، ان میں مختلف تاثیریں قرار دیں کسی کی حرارت نے مٹی کے ڈھیلوں کو ہیرا بنا چھوڑا اور اگر حرارت ذرا تیز ہو گئی تو کوئلہ بن گیا جس سے انسان نے لاتعداد فائدے حاصل کئے۔ کرۂ ہوا کو خلق فرمایا۔ جس سے انسان کی زندگی وابستہ ہے۔ غرضیکہ اربعہ عناصر اسی انسان کی خاطر خلق ہوئے کس کی زبان ہے جو اس کی نعمتوں کو شمار کر سکے۔ یہ تمام نعمتیں اس کی عام ہیں، دوستوں کو بھی پہنچ رہی ہیں دشمنوں کو بھی۔ کوئی اس کی نعمتوں کا شکر گزار ہوا نعمتوں میں اضافہ ہو گیا۔ کفرانِ نعمت کیا نعمتیں سلب ہو گئیں۔ اس نے گاؤں کے گاؤں دے دئے سیکڑوں باغ عطا فرما دئے جائدادیں اس لیے نہ بخشیں کہ حقوقِ الٰہی اور حقوقِ ناس کا خیال نہ کیا جائے۔ باغات اس لیے نہ بخشے کہ ان میں رقص و سرود کے جلسے کئے جائیں۔ بجائے شکر کے کفرانِ نعمت ہوا سب اشیاء تلف ہو گئیں اس نے تو پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔ ان المسرفین هم اصحاب النار فضول خرچی کرنے والے دوزخی ہیں۔ شادی ہو گی مگر بغیر رقص کے نہ ہو گی لڑکی کو جہیز دیا جائے گا مگر صندوق جوڑوں سے بھرا ہونا چاہیے۔ چاہے قرض لینا پڑے پھر اس پر مستزاد یہ کہ ہیچشوں میں سبکی کا خیال ہے باپ دادا نے تو تمام برادری کو

کھانا دیا تھا ہم کیوں نہ دیں باپ دادا کے اخراجات کے تمام کاغذات محفوظ ہیں اخراجات پر تو نظر پڑتی ہے مگر جس وقت باپ دادا کی آمدنی کا خانہ آتا ہے تو نظر بچا جاتے ہیں ہاں اگر اتنی ہی آمدنی ہوتی تو کچھ مضائقہ نہ تھا مگر افسوس تو یہ ہے کہ یہاں صرف خرچ ہی خرچ ہے اور آمدنی سال بھر کے خرچ سے بھی کم اور اس پر لیا قرض اور وہ بھی دو روپیہ فی سیکڑہ دستاویز کہہ کر بھول گئے۔ لالہ جی بھی چند سال تک خاموش رہے جب سر سے اونچا پانی ہو گیا اب لالہ جی نے تقاضا کرنا شروع کیا۔ دیں کہاں سے یہاں تو خرچ بھی پورا نہیں ہوتا۔ جو کچھ تھا سب نیلام ہو گیا کبھی کسی ہنر کی طرف رغبت کی نہ تھی آئے دن فاقوں سے پالا پڑا پھر تو یہ شادی نہ ہوئی خانہ بربادی ہو گئی۔ حالانکہ قرآن کریم پہلے ہی متنبہ کر چکا تھا لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ رسول تمہارے واسطے بہترین نمونۂ عمل ہیں۔ شہزادی کونین کی شادی کا واقعہ کس مسلمان نے نہ سنا ہوگا اگر رسالت مآبؐ جو کچھ جواہرات دینے دے سکتے تھے اور وہ بھی ایسے ہوتے جو کبھی چشم فلک نے بھی نہ دیکھے ہوتے۔ مگر اس سادہ طریقے سے اپنی دختر نیک اختر کی خانہ آبادی کر گئے کہ فقیر سے فقیر کو بھی لڑکی بار نہ ہو۔ رسولؐ اسلام نے بیٹی والے پر ایک پیسہ کا حرف نہ رکھا۔ ارباب علم کو معلوم ہے کہ جناب سیدۂ طاہرہ کا مہر علیؑ سے لیا گیا اور اسی سے شادی کا جہیز خریدا گیا یہ ایک سو سات روپیہ تعبیر ہے ان درہموں کی جو

جناب امیرالمومنینؑ کی زرہ کی قیمت تھی۔ دراصل طاہرہ کا مہر علی ابن ابی طالبؑ کی زرہ تھی نہ تو رسولؐ کو لینے میں شرم آئی نہ علیؑ کو دینے میں حیا معلوم ہوئی۔ سیدۂ عالمیہ کا جہیز وہ سادہ کہ جس کی تاریخ عالم میں کہیں مثال نہیں ملتی۔ دنیاوی حیثیت سے بھی جناب رسالت مآبؐ شہنشاہ تھے لیکن اپنی بیٹی کو جہیز میں کیا دیا۔ ایک چکی ایک چمڑے کا تکیہ، لکڑی کا ایک پیالہ، ایک مشکیزہ، ایک سبز روغنی مٹی کی گھڑیا، ایک دو کٹورے مٹی کے، یہ شہزادی کا جہیز تھا اور اسی کو دیکھ کر آنحضرتؐ نے یہ الفاظ فرمائے تھے۔ بار الٰہا! برکت دے ان لوگوں کو جن کے کل برتن مٹی کے ہوں۔ یہ تو ادھر کا خرچ تھا۔ اب ادھر کا حال سنئے۔ امیرالمومنینؑ اگر چاہتے تو انہیں قرض مل سکتا تھا۔ لیکن انہوں نے کسی سے قرض نہیں لیا زرہ فروخت کر ڈالی جس کی انہیں ضرورت نہ تھی کیونکہ زرہ حفاظتِ جسم و جان کے واسطے ہوتی ہے یہاں جان پہلے ہی بِک چکی تھی۔ جانتے تھے کہ جس کی چیز ہے وہ خود حفاظت کرے گا۔ لہٰذا زرہ فروخت کر ڈالی تاکہ مہر سے سبکدوش ہو جاؤں۔ رخصتی کے بعد دلہن امیرالمومنین کے گھر پہنچی، کوئی شاہی مسند آراستہ نہ تھی نہ کوئی شاہی ساز و سامان تھا۔ حجرہ میں چٹائی کا فرش بچھا ہوا تھا۔ اسی پر ایک تکیہ جس میں خرمے کے پتے بھرے ہوئے تھے۔ صحن خانہ میں ایک چوب نصب تھی جس میں آب کشی کا مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ فاطمہ بنت اسد ابھی حیات ہیں دُلہن کے جہیز کو

دیکھ کر ساس نے کوئی اعتراض نہیں کیا اگر کوئی دنیا کی دل دادہ
عورت ہوتی تو ضرور کہہ دیتی کہ دیا ہی کیا ہے مگر ساس وہ تھیں
کہ جن کی آغوش خوشبوئے رسالت سے پہلے ہی بس چکی تھی۔ اس
بی بی نے دو بچوں کی پرورش اس شان سے کی کہ ایک سردارِ
انبیاء ہُوا تو دوسرا سردارِ اوصیاء جانتی تھیں کہ دلہن وہ لے
کر آئی ہے جو کسی نبی و رسول کو بھی انبیاء سلف میں سے نہ ملا۔
نہ سارہ و ہاجرہ کو ایسا جہیز نصیب ہُوا۔ نہ آسیہ و حوا کو یہ دولت
ملی۔ دنیاوی حیثیت سے آسیہ معمولی عورت نہیں ہیں شہنشاہ کی ملکہ
ہیں۔ ایمانی حیثیت سے وہ ہیں جو مومنوں کے لیے مثال قرار
دے دی گئی ہیں لیکن باوجود اس کے ان کے پاس بھی وہ سامان
نہیں جو سیدہ لائی ہیں۔ فاطمہ بنت اسد کے یہاں دُلہن کیا آئی
سرداری نے گھر گھیر لیا۔ دُلہن وہ جو سیدۂ نساء عالمین، پوتے
وہ جو "سیدا شباب اہل الجنۃ" پرپوتے وہ قدرت نے دیئے کہ کوئی تو
سیدالعابدین ہُوا، کوئی شبیہ رسولؐ ہُوا کوئی شبیہ علیؑ۔ بس انتہاء
یہ ہے کہ بنت اسد کے پرپوتوں پر امامت کا خاتمہ ہوگیا۔ میں
یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر کوئی دنیا دار عورت ہوتی تو ضرور کہہ
دیتی کہ لے سیدہ! تمہارے باپ نے دیا ہی کیا ہے۔ مگر
بنتِ اسد کی نظر اس دنیاوی عزت پر نہ تھی جو فانی ہے، ان
کی نظر آخرت پر تھی۔ لہٰذا رسولؐ نے وہ دیا جو بنتِ اسد کو

بھی میسر نہ ہوا دلہن کیا گھر میں آئی رسولؐ نے شفیع روزِ جزا بنا کر بھیجا وہ ہولناک مقام جہاں پیغمبر بھی نفسی نفسی کہتے ہوں گے — میدانِ حشر میں ختمی مرتبتؐ کو اس بی بی کی تلاش ہو گی۔ یا علیؑ جاؤ اور شفیع روزِ جزا کو لاؤ۔ اس کا آنا ضروری ہے۔ علیؑ آئیں گے دریافت کریں گے بنتِ رسولؐ سامانِ شفاعت میں سے کیا ہے تمہارے پاس؟ آپ عرض کریں گی میرے فرزند عباس کے بازو شفاعت کے لیے کافی ہیں حالانکہ کہہ سکتی تھیں یا ابا الحسن دندانِ مبارک رسالت مآبؐ لائی ہوں آپ کا پرخون عمامہ لائی ہوں حسن کے کلیجے کے ٹکڑے لائی ہوں۔ حسینؑ پیاسے کا سر لائی ہوں علی اکبرؑ کا چھدا ہوا کلیجہ لائی ہوں۔ قاسم کی پامال شدہ لاش لائی ہوں۔ عورتوں کے واسطے زینب و کلثوم کی چادر لائی ہوں، زندانِ شام میں مرنے والی کا لاشہ لائی ہوں۔

مجلس ۳

قَالَ اللهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ فِیْ کِتَابِهِ الْمُبِیْن ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ۔ رپ ۱ ، ۱۵

ترجمہ: (اے رسول! بنی اسرائیل کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ) جب ابراہیمؑ کو اُن کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا اور انہوں نے پورا کر دیا تو خدا نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی اور میری اولاد میں سے فرمایا ہاں مگر میرے اس عہدہ پر ظالموں میں سے کوئی فائز نہیں ہو سکتا۔

جناب باری عز اسمہٗ نے اوصافِ امامت کو لفظ عہد میں چھپا دیا! یہ نہ کہا کہ امامت ظالمین کو نہ ملے گی اگر کہیں یہ ارشاد ہو جاتا تو صفاتِ امام قرآن سے نہ معلوم ہوتے۔

عالمِ ایجاد میں ایک نظر ڈالنے سے عقول انسانی اس نتیجہ تک پہنچ جاتی ہیں کہ کمال خواہ کسی قسم کا ہو پردے ہی میں ملے گا۔ دستِ انسانی میں صنعت آکے پوشیدہ ہو گئی ظاہر میں تو گوشت و پوست و استخوان ہی ہیں مگر اس لحم کے پردے میں صنعت و حرفت نہاں ہے سنگ اپنے مقام پر سنگ ہی تھا۔ اسی انسانی ہاتھوں نے اس کو تراشا چھپی ہوئی صنعت کو عیاں کیا شاہان دنیا کا محل بنا دیا۔ پتھر اپنی جگہ پر تھا

تھا۔ انسان و حیوان کی ٹھوکروں سے ٹھکرایا جا رہا تھا پردے میں رہنے والی صنعت نے اس میں وہ خوبی پیدا کی کہ دنیا والوں کی پیشانیاں اس پتھر کے گھر کی طرف جھک گئیں۔ پردے نے جماد کو اس عروج پر پہنچا دیا کہ نگاہِ انسانی اب اس پتھر سے ہٹنا ہی نہیں چاہتی۔ دہلی کے لال قلعہ میں اور اس کے دیوان خاص میں یا موتی مسجد میں کیا رکھا ہے لیکن جب انسان وہاں قدم رکھتا ہے تو کبھی قصرِ شاہی کو دیکھتا ہے تو کبھی در و دیوار پر نظر ہے کبھی رنگین عمارتوں کی کشش اپنی طرف کھینچ لیتی ہے کبھی سقف منقش کو ملاحظہ کر رہا ہے تو کبھی سریرِ منبت پر اور تختِ مرصع کی طرف متوجہ ہے۔ پردۂ خاکی میں چھپی ہوئی صنعت نے بے قدر پتھروں کو قابل قدر بنا دیا شاہوں کی مجلس کے لائق بنا دیا۔ اسی طرح آگرہ کے تاج محل میں کیا خوبی ہے کہ انسان وہاں پہنچتے ہی نقش بدیوار ہو جاتا ہے۔ اگر کہیں اس کی تحریر پر نظر جا پڑی تو اب نگاہ وہاں سے پلٹنا ہی نہیں چاہتی۔ اس کی تحریر کی سیاہی میں کاتب نے کچھ اس طرح کی خوبی رکھی ہے کہ نورِ نظر اس کے دامن سے لپٹ کے رہ جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ انسانی صنعت وہ ہے کہ مٹی اور پتھر کو ایسا بنا دے کہ نگاہِ انسانی اس کو دیکھا ہی کرے۔ اور پلٹنے کا کبھی نام نہ لے۔ اور یہ خدائی صنعت ہے کہ عالم والوں کی نگاہیں پھری ہوئی ہیں مگر چشمِ قدرت وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتی۔ صانعِ حقیقی نے پردۂ قوم میں چھپی ہوئی صنعت کو ظاہر کیا دیکھتے ہی

خود ہی فریفتہ ہو گیا۔ اپنے کمال کو اس آئینہ میں دیکھ کر وجد کر گیا۔ اس وقت کون تھا جو داد آفرینش دیتا جان آفریں خود ہی لب قدرت سے بول اٹھا فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ یہ ہے احسن الخالقین کی صنعت اور اس صنعت کا حُسن کہ اگر وہ کہیں سو گیا تو قدرت نے خود جگا دیا۔ يَا اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ اے میرے چادر اوڑھنے والے حبیب اٹھو اور اس رات کے سناٹے میں تھوڑی ہی دیر کے لیے محراب عبادت میں آجاؤ۔ ادھر محراب عبادت میں قدم رکھا ادھر لب قدرت کو حرکت ہوئی۔ طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى۔ اے طاہر ہم نے یہ قرآن تم پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ تم اس قدر مشقت اٹھاؤ۔ ان کا سونا بھی مرغوب، ان کا قیام بھی محبوب، ان کی رفتار بھی خوب، ان کا ہاتھ اٹھانا بھی پسند، اور کیوں نہ ہوتا تھے بھی تو خود پسند۔ طین سے تو سب ہی بنے تھے۔ کوئی عرش پہ بلانے کے قابل کوئی حرم کی مہمانی کے لائق کسی کو حرم نے محترم سمجھ کر خود بلایا کوئی حرم سے حکماً نکالا گیا جن لوگوں کے دروازے مسجد میں تھے کل بند کر دیے گئے علیؑ ہی کا دروازہ کھلا رہا۔ حدیث سدّ ابواب کو تیس صحابیوں نے علی التواتر روایت کیا ہے صواعق محرقہ و امام حنبل نے مختلف الفاظ سے نقل کیا ہے۔

قال امر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بسد الابواب فشق ذالک علی اصحاب رسول فلما بلغ ذلک رسول اللّٰہ

دعا صلوٰۃ جامعۃ حتی اجتمعوا صعد المنبر فلم یسمع
لرسول اللہ تحمیدا و تعظیما فی خطبۃ مثل یومئذ فقال
یا ایہا الناس ما انا سددتہا ولا انا فتحتہا بل اللہ عزّ
وجلّ سدّھا ثم قرأ والنجم اذا ھوٰی ما ضل صاحبکم
وما غوٰی وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ و
قال رجل دع لی کوۃ تکون فی المسجد فابیٰ وترک باب علیؑ
مفتوحًا وکان یدخل ویخرج منہ وھو جنب ——— پیغمبرؐ نے
حکم دیا کہ دروازے بند کر دئے جائیں ۔ صحابہؓ کو یہ امر گراں گزرا جس
وقت رسالتمآبؐ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو لوگوں کو بلایا جس وقت
جمع ہوگئے تو آپؐ بالائے منبر تشریف لے گئے اور تحمید و تعظیم الٰہی میں
ایسا خطبہ ارشاد فرمایا کہ پھر ایسا خطبہ لوگوں نے نہ سنا بعدازاں لوگوں کی
طرف متوجہ ہوتے اور فرمایا کہ میں نے دروازوں کو بند نہیں کیا نہ میں
نے ان کو کھولا بلکہ اللہ نے ان کو بند کیا ہے ۔ پھر حضرتؐ نے آیۂ والنجم
اذا ھوٰی کی تلاوت فرمائی ۔ ایک شخص نے درخواست کی کہ یا حضرتؐ!
میرے لیے مسجد میں ایک روشندان ہی رہنے دیجئے ۔ حضرتؐ نے
انکار کر دیا ۔ اور علی ابن ابی طالبؑ کے دروازے کو کھلا ہوا چھوڑ دیا
حضرتؑ برابر اس دروازے سے مسجد میں تشریف لاتے اور مسجد سے
اپنے مکان جاتے تھے حالانکہ آپ حالت جنابت میں ہوتے تھے ۔
اور صاحب جامع ترمذی ابوسعید سے یوں نقل کرتے ہیں ۔ قال قال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی یَا علی لا یحلّ لاحدٍ اَن یجنبَ فِی ھٰذا المسجد غیری وغیرک ۔ فرمایا یا علی میرے اور تمہارے سوا اس مسجد میں جنب ہونا کسی کے لیے حلال نہیں ہے خواہ کوئی کیوں نہ ہو ، کیسا ہی بڑا صحابی ہو کسی کی مجال نہیں کہ اس مسجد میں اس حالت میں گزر بھی سکے نہ کسی عورت میں یہ طاقت ہے کہ وہ اس حالت میں آجائے خواہ کوئی عورت ہو ازواج رسولؐ ہی کیوں نہ ہوں ۔ اگر کسی مرد یا عورت کی طہارت علیؑ کے ہم پلّہ ہوتی تو اس کی ماں بھی بیت اللہ میں جَن کر دکھا دیتی ۔ یہ تو فاطمہ بنتِ اسد ہی طاہرہ تھیں کہ ولادت ہوئی اور بیت اللہ کی طہارت میں فرق نہ آیا ۔ اتنی طہارت ہو تب اہلبیت میں شامل ہو ۔

فرق تھا مکان میں اور مکین میں مکان وہ جسے خلیل جیسے ہاتھوں نے طاہر کیا پھر بھی انسانی ہاتھ تھے ۔ گو کہ کامل انسان تھے اس پر بھی اتنا ضرور ہوا کہ رجس اصنام آکے رہا ۔ لیکن مکین ایسے مطہرین ہیں ، جن کو خود ید قدرت نے طاہر کیا ابھی یہ عالم شہود میں بھی نہیں آئے تھے کہ ان کی طہارت کا اعلان ہو چکا جبکہ عند العقل مسلم ہے کہ صفات باری تعالےٰ عین ذات ہیں ۔ زائد بر ذات نہیں ہیں ۔ اس کی صفات کا انفکاک اس کی ذات سے نہیں ہو سکتا ہے وہ ہمیشہ سے مرید ہے اور ہمیشہ ایسا ہی رہے گا ان کے لباس وجود میں آنے سے پہلے اعلان طہارت ہو رہا ہے یہ نہیں ہے کہ معاذ اللہ ان

میں کسی وقت رجس تھا اور بعد میں طہارت آئی اور قواعد نحو وصرف
سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ باب تفصیل کی خاصیتوں میں سے
ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ کسی شے کا اظہار مقصود ہوتا ہے ۔
جیسا کہ حورالعین کے متعلق ارشاد ہوتا ہے لَهُمْ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ
ابرار لوگوں کی ازواج مطہرہ ہیں وہ کسی وقت میں بھی نجس نہ تھیں۔
جب سے پیدا ہوئیں اور جب تک رہیں گی طاہر ہی رہیں گی ۔
یوں ہی اہلبیت ہیں کہ قدرت کو ان کی طہارت کا اظہار مقصود ہے
اور یہ مرتبہ ہے فخر مریم سیدہ طاہرہ کا کہ قدرت کو حیا معلوم ہوتی
ہے کہ ان کو نام لے کے پکارے بخلاف مریم کے حالانکہ وہ ایک
اولوالعزم پیغمبر کی والدہ ہیں مگر قدرت ان کو نام لے کے مخاطب کرتی
ہے يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلٰى نِسَاءِ
الْعَالَمِيْنَ اور جب قدرت کو سیدہ طاہرہ کو پکارنا مقصود ہوتا ہے
تو چادر تطہیر کے پردے میں آواز دی جاتی ہے اِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ
لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔
یہ فخر فقط جناب سیدہ کو حاصل ہے کہ آدم صفی اللہ سے لے کر
تا عیسٰی دوراں چادر تطہیر کسی کے گھر میں نازل نہیں ہوئی۔

سیدہ طاہرہ نے مسلمانوں کی عورتوں کی آبرو کو بچا لیا پردے
میں چہروں کو چھپا لیا کمال اسی میں تھا صحن عالم میں ایک نظر
ڈالنے سے عقل انسانی اس نتیجہ تک پہنچ جاتی ہے کہ اشیاء نفیسہ

حجاب ہی میں ملیں گی دانہ زمین کے پردوں میں چھپا ہوا اس تخم کے پردے میں شجر پوشیدہ اس شجر کے پردے میں ثمر اور ثمر میں اثر چھپا ہوا۔ خلاقِ عالم نے جو عالمِ خلق کی اشیاء حجاب میں رکھی ہیں تو محض اس وجہ سے کہ وہ حدِ کمال کو پہنچ جائیں۔ جوں جوں کمال حاصل ہوتا گیا پردہ اٹھتا گیا مٹی کے ڈھیلے وہی مٹے تھے انہیں ٹھوکروں سے ٹھکرایا گئے کبھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے کبھی خیال بھی نہیں آیا کہ یہ کیا بننے والے ہیں ہاں جب قدرت نے پردے میں پوشیدہ کیا تو کہیں تو ہیرا بنا کے نکالا کہیں کوئلہ بنا دیا۔ آج کل کی نئی تحقیقات ثابت کر رہی ہیں کہ ہیرے اور کوئلے کا مادہ ایک ہے۔ آبِ نیساں جب تک بے پردہ رہا وہی پانی کا قطرہ تھا حجاب صدف میں پہنچتے ہی گہر بن گیا۔ حسینانِ جہاں کے نازک گلوں کی زینت بنا شاہانِ دنیا کے تاج کی آرائش و زیبائش ہوا امراض کے لیے شفا بن گیا۔ پتھر جب تک پردے سے متنفر رہا ناقص رہا ادھر زمین کے پردے میں پنہاں ہونا تھا کہ کامل ہو گیا کہیں تو لعل بن کے نکلا کہیں یاقوت کہیں فیروزہ کہیں زمرد کہیں در نجف بنا۔

جمادات نے پردہ کیا تو اس کمال کو پہنچے کہ شاہوں کی زینت کے قابل ہوئے ان کے تاج میں ٹکنے کے لائق ہوئے اس نے تو سب ہی کچھ بنایا لعل بھی خلق کیا ہیرا بھی یاقوت بھی پیدا کیا عقیق یمنی بھی بلور میں چمک رکھ دی در نجف کو بھی ضو عنایت ہوئی لیکن ان جواہرات

کی میزان کو چشمِ جوہری میں چھپا دیا۔ جلدِ انسانی ان جواہرات کا وزن معلوم کرنے سے عاجز ہے دستِ انسانی کے ذریعہ سے ان کی قدر معلوم ہو سکتی ہے نہ ان کی قیمت۔ مادی میزان کبھی ان کی قدر و قیمت کو نہیں بتلا سکتی۔ ہیرے کو اگر اس ترازو میں رکھ کے تولا جائے جس میں غلہ یا لکڑیوں کا وزن کیا جاتا ہے تو اس کی قدر کو گھٹا دیتا ہے۔ عقلاء یقیناً احمق بتائیں گے۔ ہاں اگر میزانِ نور میں رکھ کے وزن کیا جائے تو اس کی قدر و قیمت معلوم ہو سکتی ہے۔ پشتِ مادیٔ حیوان و انسان کیا جانے کہ جسمِ محمدی میں کیا وزن ہے ایسے جسم کے وزن کے لیے ایسی نورانی میزان کی ضرورت ہے کہ جیسے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) نورانی ہیں ویسی ہی میزان نورانی ہو تو جسمِ محمدیؐ کا وزن معلوم ہو سکتا ہے۔ بیت اللہ میں نبوت کا وزن کیا گیا میزانِ امامت قائم کی گئی قدم مبارک کا دوشِ امامت پر آنا تھا کہ لرز گئے امیرالمومنین عرض کی یا رسولؐ اللہ! ہٹ جائیے کہ سارے زمین و آسمان کا بوجھ میری پشت پر آگیا ہے۔ اب قدرت نے میزانِ نبوت میں امامت کو تولا فرمایا۔ یا علیؑ! تم اپنا پاؤں میرے شانے پر رکھو حضرت نے امتثالاً لامر اپنا قدم دوشِ رسالت پر رکھا اور بتوں کو نیچے پٹکا۔ اس وقت سرورِ کائنات نے پوچھا یا علیؑ اپنے آپ کو کہاں پاتے ہو کہا یا رسولؐ اللہ! دیکھتا ہوں کہ تمام حجاب

اٹھ گئے ہیں اور گویا میرا سر ساقِ عرش تک پہنچ گیا ہے۔ اور جس چیز کو چاہتا ہوں وہ میرے پاس آ جاتی ہے۔ اس وقت سرورِ کائنات مسرور ہو کر فرماتے ہیں کہ خوشا حال تمہارا کہ تم کارِ حق کر رہے ہو اور خوشا حال میرا کہ میں بارِ حق اٹھائے ہوئے ہوں یہ الفاظ ہیں حبیب السیر کے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میزان مادی جسم علیؑ کے بار کو ظاہر نہیں کر سکتی وزن امامت کے لیے میزان نبوت کی ضرورت ہے میزان نبوت میں جسم امامت کے ہر ہر عضو کا وزن معلوم ہو سکتا ہے زبانی دعویٰ نہیں ہے رسولؐ اللہ نے وزن کر کے دکھلایا۔ مجمع عام میں خندق میں تول کے دکھلا دیا ایک پلہ میں ثقلین کی عبادت کو عبادت کو رکھا دوسرے پلّہ میں علی ابن ابی طالب کی ایک ضربت کو ضربۃ علی یوم الخندق افضلُ مِنْ عبادۃِ الثقلین۔ مرسلین و غیر مرسلین کروبین ملائکہ مقربین بھی ثقلین میں شامل ہیں جبکہ ایسے مقدس گروہ کی عبادت ایک ضربت کے ہم پلّہ نہ ہو سکی تو مسلکین نبوت و رسالت کیا برابری کر سکتے ہیں ایں خیال است و محال است وجنوں۔

دوسرا مقام وہ ہے جہاں میزانِ نبوت نے کل جسم کا وزن بتلایا اٹھارہ ہزار عالم میں جوانمرد تو بہت سے تھے مگر کوئی ہم پلّہ نہ ہو سکا سب کی نفی کر دی گئی لَا فَتیٰ اِلَّا عَلِی۔

تیسرا مقام وہ ہے جہاں میزانِ نبوّت نے نفسِ علیؑ کا وزن

بتلایا ہے یا یوں کہوں کہ اپنے نفس کا وزن ظاہر کیا ہے۔ دنیا وی جواہرات پست ہو گئے۔ نہ دنیاوی جواہرات بلکہ جنت اس نفس کا مقابلہ نہ کر سکی کوثر برابر نہ ہو سکا نہ معلوم اس بوسیدہ لباس میں کون سا جسم تھا اور اس فاقہ کش جسم میں کون سا نفس تھا کتنا گراں قدر تھا کہ قدرت نے چاہا کہ ملائکہ مقربین ہی ہم پلہ ہو جائیں ارشاد ہوا۔ لما کنتما مثل علی ابن ابی طالبؑ کیوں نہیں ہو جاتے مثل علی ابن ابی طالب کے۔ ایک نگاہ انتخاب تھی قدرت کی اس نوری گروہ پر کہ جن سے مخالفت الہٰی ایک آن واحد کے لئے نہیں ہوتی۔ وہ مستجین ملاء اعلیٰ خود ہٹ گئے کہ ہم اس قابل نہیں جو اس نفس کی برابری کر سکیں عند اللہ یہ نفس اتنا گراں قدر تھا کہ عالم امکان میں سے کوئی شے ایسی نہ تھی جو اس نفس علیؑ کے مساوی ہو جائے۔ آخر کو قدرت نے وزن کر ہی لیا ایک پلّہ میں اس نفس کو رکھا دوسرے پلّہ میں اپنی رضا رکھی دونوں پلّے برابر تھے۔ رضائے الہٰی یونہی نہیں مل جاتی بیچنے کا سودا تھا پہلے حق قائم کر لیا نہ یہ کوئی عنایت محمدیؐ تھی استحقاق تھا۔ جان بیچ کر دنیا میں رضا لی سونے کے لئے بسترِ رسولؐ لیا زوجیت کے لیے دخترِ رسولؐ جنگ کے لیے تیغ دو سر بت شکنی کے لیے دوشِ رسولؐ وعظ و تفسیر قرآن کے لیے منبرِ رسولؐ جہاد کے لیے تیغ دو سری آخرت میں کوثر لیا ساقیٔ کوثر ہو گئے یہ اپنا اپنا پردہ تھا کوئی بسترِ رسولؐ میں چھپا تو رضائے الہٰی ملی کوئی دامنِ کوہ میں پوشیدہ ہوا تو غضب الہٰی ملا ——— حجاب ہی نے جمادات کو اس عروج پر

پہنچایا کہ شاہان دنیا اس کے ایک جوہر کی قیمت لگانے سے عاجز ان کے خزانے خالی ہوگئے مگر ایک پتھر کی قیمت بھی ملوک دنیا کے خزانے میں نہ نکلی، چاہا تھا دنیا والوں نے کہ گوہر نبوت کو اسی میزان مادی میں وزن کرلیں تمام خزانہ مصر کا دوسرے پلڑ میں آگیا۔ یوسفؑ کا پلڑ نہ اٹھا اور کیوں اٹھتا دنیا والے اس کے جوہری نہ تھے ———

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری ——— شاہان دنیا جماد کے جوہری ہوتے ہیں فاتحین شام و روم کیا جانیں کہ اس بوسیدہ لباس میں کونسا نفس ہے خالق النفس ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ کس مقام کے قابل ہے۔ خلاقِ عالم نے تو جماد ہی میں جواہرات خلق کردیے اب یہ انسان کی قابلیت پر منحصر ہے کہ وہ اس کے لیے ظرف کیا تلاش کرے۔ ہیرے کو اگر لوہے کی انگشتری میں رکھا جائے گا تو دنیا احمق بتائے گی کہ یہ ظرف اس کے لائق نہیں حالانکہ وہ اگر لوہے میں ہے تو ہیرا ہے چاندی میں ہے تو ہیرا ہے

سونے میں ہے تو ہیرا ہے ظرف

گل میں رکھ دیا تو ہیرا ہے اس کی چمک میں کہیں فرق آنے والا نہیں۔ اس کی منزلت کبھی گھٹنے والی نہیں۔ ہاں بس رکھنے میں فرق تھا جوہری ازل نے رکھا تو مہر نبوت کا نگین بنا کے یا نفسِ رسول بنا دیا۔ بستر رسالت میں رکھا تو نفس اللہ بنا دیا مجاہدین کی صف میں رکھا کرار بنا دیا مومنین کی صف میں رکھا تو مجسم ایمان بنا دیا۔ لہجہ ناموس میں رکھا تو لسان اللہ بنا دیا۔

سلسلۂ ارتقائے عالم پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ جماد سے پست تر کوئی شے نہیں اور انسان سے بالاتر ہستی سوائے واجب الوجود کے اور کوئی نہیں لیکن ان جمادات کی میزان چشم انسانی میں چھپی ہوئی ہے نبات جو کہ جماد سے بالاتر ہے اسے خبر نہیں کہ کون سا لعل ہے کون سا یاقوت ہے کون سا ہیرا ہے ۔ حیوان جو کہ نبات سے بھی افضل ہے اسے معلوم نہیں کہ کون سا بلور ہے کون سا ورنجیف ہے کون سا عقیق ہے۔ کون سا فیروزہ ہے ۔ ان ثلاثہ سے جو بہتر انسان ہے وہی ان ثلاثہ کی میزان ہے وہی ان میں سے قابل قدر جماد و نبات و حیوان کو چنتا ہے اب عقل سلیم بتلاتی ہے کہ انسان سے جو بالاتر ہستی ہو وہ اس کی میزان ہو خود انسان اپنی میزان نہیں ہوسکتا اپنا وزن خود نہیں کرسکتا ۔ ہاں جسم مادی کا وزن کرسکتا ہے لیکن جسم روحانی کا وزن نہیں کرسکتا ۔ وہ نہیں بتلا سکتا کہ کون سا انسان قابل قدر ہے اور کون سا نہیں البتہ خلاق عالم اس انسان کی میزان ہوسکتا ہے وہ بتلا سکتا ہے کہ کون سا انسان کس مقام کے قابل ہے ۔ قاعدہ ہے کہ جوہری اپنے چمکدار پتھروں میں سے کچھ پتھروں کو منتخب کرتا ہے کچھ ایسے ہوتے ہیں جو عام لوگوں کے سامنے پیش کئے جائیں گے کچھ ایسے ہوتے ہیں جو خاص لوگوں کو دکھلائے جائیں گے ان خاص لوگوں میں بھی جوہری فرق رکھتا ہے کچھ امراء کے لیے رکھے کچھ وزراء کی خدمت میں حاضر کئے کچھ شاہوں کے حضور میں تحفۃً پیش کئے جائیں گے ۔ وہ قیمتی جوہر جو شاہوں کے قابل ہے عام

لوگوں کو دکھلایا بھی نہیں جاتا جوہری جانتا ہے کہ عوام الناس کو دکھلا
ہی عبث و فضول ہے کیونکہ وہ اس کی قدر کیا جانے عوام کالانعام
اس کی قیمت نہیں لگا سکتے۔ لہٰذا وہ ایسے قیمتی جوہر کو عوام کی آنکھوں
سے پوشیدہ رکھتا ہے یوں ہی جوہریٔ ازل نے ایک لاکھ چوبیس ہزار
کو منتخب کیا پھر ان میں سے پانچ کو اور یہ پانچ قابل قدر تھے۔ ان
اولوالعزم بنا دیا پھر ان میں سے انتخاب ہوا ایک کو سید المرسلین بنایا
دوسرے کو سید الاوصیاء بنایا۔ ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار میں سے کسی
کے لعل اس قابل نہ تھے جو عرش کی زینت ہو سکیں بس، سید المرسلین
کے لال اس لائق ہوئے کہ جن سے عرش کی زینت ہوتی بلکہ یہ وہ تھے
قدرت نے خود اپنے خزانے کے لیے منتخب کیا اور جس چیز کی عزت افزائی
منظور ہوئی انہیں سے اس کو سج دیا عرش کی عزت بڑھانی ہوتی گوشوارۂ
عرش بنا دیا۔ جنت کی عزت بڑھانی ہوتی تو سردار نوجوانانِ جنت بنا د
رسالت کو فروغ دینا ہوا بیٹا بنا دیا۔ ہم غلاموں کی عزت بڑھانی ہوئی ا
بنا دیا۔ دنیا میں مٹی سے زیادہ ذلیل اور حقیر شئے نہ ہوگی لیکن اگر اس کی
عزت بھی بڑھانی ہوئی تو ان کی طرف منسوب کر دیا دنیا کی خاک مٹی ہو ا
لیکن کربلا کی خاک حسینی خون کی برکت سے خاک شفا بن کر رہی۔

مغربی قوم سے سوال ہے کہ اگر یہ پردہ خلاف فطرت انسانی ہے
تو بھلا کوئی بتلائے تو سہی کہ پردۂ دل میں روح نے کیونکر جگہ پائی اور پردۂ
خاکی میں آکر پنہاں ہوئی اور تو کیا کہوں کہ پردہ کیا ہے ہاں اتنا کہنا

پڑتا ہے کہ اگر قدرت پردۂ قلب کو عالمِ خلق میں خلق نہ کرتی تو شوق
کے جذبات پھر کہاں پوشیدہ ہوتے گل کی آغوش میں خوشبو نہاں ہوتی
تاکہ کمال حاصل ہو انسانی ہاتھوں میں جانے کے قابل ہوں۔ بندگانِ الٰہی
نے دعا کے لیے پردۂ شب کو ڈھونڈا کہ اسی میں سناٹا بھی ملا اور تنہائی
بھی۔ نطفۂ انسانی بطنِ عورت میں جا کے پنہاں ہوا تاکہ مضغہ بیجان میں
جان پڑ جائے نور کو اولاً دماغ میں پوشیدہ کیا پھر آنکھ کے سات پردوں
میں اہلِ دماغ سے امید کرتا ہوں کہ یہ پردہ ناموزوں نہ ہوگا کہنا پڑے گا
کہ نور اسی قابل ہے کہ اسے چھپایا جائے آسمانوں میں ہو تو پردۂ غیبت
میں۔ انوارِ الٰہیہ اسی قابل ہیں کہ ان کو حجاب میں پوشیدہ کیا جائے نہ ایک
پردہ میں بلکہ بارہ حجابوں میں پنہاں کیا کہیں نور کے پردہ میں چھپایا کہیں
حجابِ کرامت میں پوشیدہ کیا کہیں حجاب سعادت میں پنہاں کیا کہیں حجاب
ہیبت میں مخفی رکھا کہیں حجاب رحمت میں تو کہیں حجاب رفعت میں
کہیں حجاب علم میں تو کہیں حجاب حلم میں کہیں حجاب وقار میں تو کہیں
حجاب سکینہ میں کہیں حجاب صبر میں تو کہیں حجاب صدق و یقین میں۔ ان
بارہ حجابوں کا طے ہونا تھا کہ کمال اتنا بڑھا کہ جب خلاقِ عالم نے اس
دنیا میں بھیجا تو سراجِ منیر بنا کر بھیجا بے پردہ نہیں بھیجا فانوسِ جبینِ آدم
میں چھپا کے بھیجا۔ جب یہ کمال یہاں بھی نہ چھپ سکا تو قندیلِ دستِ
آدم میں چھپا دیا اچھا پردہ تھا کہ نہ تو سامنے ہی آتے تھے نہ پردہ ہی
کرتے تھے فرشتوں کی نگاہوں سے پنہاں آدم کے سامنے عیاں

ابوالبشر کے داہنے ہاتھ میں اصحاب یمین اس طور سے نظر آئے کہ کوئی قائم تھا کوئی راکع تھا کوئی ساجد تھا پردہ ہی پردہ میں آدمؑ کو عبادت کا طریقہ بتا گئے۔ کلمات کے پردے میں آئے در قبول توبہ تک پہنچا گئے بچھڑے ہوئے کو جنت سے ملا گئے۔ نوحؑ تک آئے یہاں بھی کچھ نورانی کیلوں میں پنہاں کشتی میں ربط پیدا کر گئے مومنین کو پار لگا گئے کشتی نوحؑ کے لیے ناخدا بن کے آئے خلیلؑ تک آئے تو یہاں بھی کلمات میں روپوش کلیم تک آئے تو ضیا کے پردے میں چھپے ہوئے خلاق عالم جب ایک لاکھ چوبیس ہزار حجابوں میں پوشیدہ کر چکا تو اب قرآن کے پردوں میں چھپا دیا۔ کہیں طٰہٰ میں کہیں یٰسین میں کہیں مزمل میں کہیں مدثر میں کہیں منذر میں کہیں بشیر میں کہیں نذیر میں کہیں سراج منیر میں۔ قرآن کے حجاب ختم ہوئے پردہ اٹھا کمال بڑھا اور اتنا قرب حاصل ہوا کہ سائے کا پردہ بھی اُٹھ گیا دنیا جانتی ہے کہ عام لوگوں کا پردہ اور ہے خاص کا اور۔ امراء کا اور وزراء کا اور شاہوں کا پردہ اور جو کہ اس عالم میں مملکت باقی کا تاجدار تھا جو شاہوں میں محترم تھا اسے پردۂ حرم میں چھپا دیا حجاب بڑھتا کمال ترقی کرتا گیا شعب ابی طالب میں چھپا دیا کمال ظاہر ہونے لگا قرآن میں پوشیدہ کر دیا۔ کہیں کتاب مبین میں تو کہیں امام مبین میں تو کہیں علم الکتاب میں جب یہاں بھی کمال نہ چھپ سکا تو نقطہ بائے بسم اللہ میں پنہاں کر دیا تاکہ اغیار کی نظریں یہاں تک نہ پہنچیں ہم ہی اس پردے میں اپنے کمال کو دیکھا کریں۔

عند العقل مسلم ہے کہ جتنی جو شے کامل ہوگی اتنا ہی حجاب بھی بہتر ہوگا ذات محمدی جتنی کامل تھی اتنا ہی حجاب بھی قدرت نے کامل ہی عنایت فرمایا تھا۔ خاتم النبیینؐ کے حجاب اور تھے اور خاتم الاوصیاء کے حجاب اور عالم نور میں جب قدرت نے چھپایا تو بارہ حجابوں میں رکھا اور جب عالم خلق میں بھیجا تو ایک لاکھ چوبیس ہزار پردوں میں رکھا ان تمام مقامات پر نور اہل بیت ہی نور محمدی سے معیت تامہ رکھتا تھا۔

پردے کا اُٹھ جانا ہی قیامت کا آجانا ہے اگر کوئی کہیں بزم دنیا میں بے پردہ چلا آیا ہے تو زنانِ مصر کی انگلیاں گھائل ہو کر رہ گئی ہیں اسی بے پردگی نے کسی کو سینکڑوں کنویں جھکوائے ہیں صحرا نوردی میں پاؤں میں آبلے پڑ گئے ہیں یہی بے پردگی رسوائی کا باعث ہوتی ہے۔ دین سے بے دین بنا دیتی ہے دنیا جانتی ہے کہ شراب ام الخبائث ہے مگر اس نے بھی بے حجابانہ آنا پسند نہ کیا انسان کے ہاتھوں تک آئی تو پردۂ مینا میں چھپی ہوئی آئی دہن تک آئی تو پردۂ جام میں روپوش ہو کے آئی۔ کیسی ترقی زمانہ ہے کہ ایسی نقصان دہ شے کو جو کچھ دیر کے لیے عقل و ہوش گم کر دے دماغ کی روشنی کو پھیکا کر دے ہوش و حواس جس سے جاتے رہیں وہ پردۂ مینا میں چھپا کے رکھی جائے اور اپنی ناموس کو منظر عام میں بے پردہ پھرایا جائے اگر ایسی ہی پردے سے کراہت ہے تو ہم مغربی قوم کو جب جانیں کہ مرنے کے بعد پردۂ مدفن میں نہ چھپیں میت ان کی بے پردہ رہے تب اس بے پردگی کا مزا معلوم ہو۔ خدا

نہ کرے کہ کسی کی میّت بے پردہ ہو جائے یہ تو کوئی زین العابدینؑ سے پوچھے کہ جب باپ کی میّت کو بے پردہ دیکھا تو قلب پہ کیا گزری یا کوئی زینبؑ سے پوچھے کہ بھائی کی لاش کو عریاں دیکھا تو دل کی کیا کیفیت ہوئی یا کوئی سہل سعدی سے پوچھے کہ ذرّیت رسولؐ کو بازار شام میں بے پردہ دیکھ کر قلب پر کیا گذری ۔

مجلس ۴

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیْ کِتَابِہِ الْمُبِیْنِ
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ——— بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے ——— اسلام مشتق ہے سلم سے جس کے معنی صلح کے ہیں اور ایمان مشتق ہے امن سے جس سے صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام دنیا میں پیام صلح و امن لے کر آیا ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اسے بنی نوع انسان "جیو اور دوسروں کو جینے دو" یوں ہی نہیں کہ فقط اس نے صلح و امن کا حکم دیا ہو بلکہ وہ ذرائع بتلائے جن سے دنیا میں امن قائم ہو اور فساد مٹ جائے لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کہہ کر یہ سمجھایا کہ دین اسلام فتوحات کے لیے نہیں آیا ہاں اگر کوئی بطیب خاطر قانون اسلام کو پسند کرے اور اس کے قوانین عقل کے مطابق ہوں تو اسے تسلیم کر لیا جائے اور اگر کوئی دین اسلام کی طرف رغبت نہ کرے تو اس کے جان و مال سے کچھ تعرض نہ کیا جائے۔ غیرلوگوں نے بھی اگر دامن اسلام میں آکر پناہ لی ہے تو ان کی زندگی بھی دنیا میں بخوبی گذری ہے کافر ذمی اسلام کی حمایت میں رہے کیا کوئی مثال ایسی ملتی ہے کہ بانیٔ اسلام یا ان کے سچے پیروی کرنے والوں میں سے کسی ایک نے بھی کسی کے دل کو دُکھایا کسی کا ناحق مال چھین لیا ہو یا کسی یتیم کا مال غصب کر لیا ہو۔ یا ان سے برے طریقے سے پیش آیا ہو جو دین کہ غیروں کی دنیا سنوار دے تو کیا وہ اپنوں کو نظرانداز کر دے گا۔ نہیں۔

وہ تو اپنوں کی دین و دنیا دونوں سنوار دے گا مگر شرط یہ ہے کہ عملی میدان میں گامزن ہو۔ ارشاد ہوتا ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ـــــــ جو بھی نیک کام کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہو تو ہم اسے دنیا میں بھی پاک و پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں بہتر سے بہتر اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔

اسلام کی حقانیت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس نے انبیا و مرسلین کو بھی عمل سے مستثنیٰ نہیں کیا۔ عملی میدان میں جتنا قدم بڑھتا گیا اتنا ہی مرتبہ بلند ہوتا گیا۔ يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ـــــــ اے میرے پیغمبرو! پاک و پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو تم جو کچھ بھی کرتے ہو میں اس سے بخوبی واقف ہوں ـــــــ کوئی پیغمبر یا رسول نسلی تفوق کی وجہ سے عنداللہ مقرب نہیں یا کوئی شان امارت کی جہت سے عنداللہ مکرم نہیں ہوا یا کوئی سلطنت کی امتیازی شان کی وجہ سے عنداللہ معظم نہیں ہوا۔ کوئی صفی ہے تو عمل سے، کوئی خلیل ہے تو عمل سے، کوئی کلیم ہے تو عمل سے کوئی حبیب ہے تو عمل سے۔ جناب ختمی مرتبت کے سر پُر نور پر تاج شفاعت یونہی نہیں رکھ دیا جو کام ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار سے نہ ہو سکا اس کو حضرت نے تئیس سال کے اندر تکمیل کو پہنچا دیا

اور دنیا سے نہیں گئے جب تک کہ لسانِ قدرت سے اَلْمُلْکُ اور اَتْمَمْتُ نہ کہلوا لیا وہ تو تکمیل کی سند لے کر چلے گئے اب یا تو دینِ اسلام ایک محدود زمانے کے لیے آیا تھا یعنی زمانۂ رسالت مآبؐ تک محدود تھا بلکہ اس کا دامن تو قیامت سے وابستہ ہے تو عقل انسانی مجبور ہے کہ بعد جناب رسالت مآبؐ کچھ ایسی ہستیاں بھی دنیا میں موجود رہیں جو اسلام کی عملی تعلیم کو دنیا کے سامنے پیش کرتی رہیں۔ کیا کوئی انسان بعد رسولؐ ایسا ہے جس کی عملی تعلیم زندگی کے ہر شعبہ میں کارفرما ہو، حیات کا کوئی شعبہ ایسا نہ ہو جس پر اس نے اپنی سیرت سے روشنی نہ ڈالی ہو جس کی سیرت پر عمل کرنے سے عبد معبود تک پہنچ جائے اور محمودؔ ایازؔ ایک ہی صف میں نظر آئیں دشمن دوست ہو جائیں۔ ایسی ہستی بعد رسول اگر ملے گی تو وہی جس کی عبا شاہی حالت میں بھی پیوند دار تھی آج دنیا میں بننے اور بگڑنے کا سوال ہے کہ ہم کیوں بگڑ گئے کس وجہ سے تباہ ہو گئے۔ جب مفلس بن کر بیٹھ گئے اور اپنے اعضاء و جوارح کو بالکل بیکار بنا لیا تو کہنے لگے اجی کیا کریں یہ تو مقدر میں لکھا ہوا تھا حالانکہ یہ اسلام کی تعلیم نہیں۔ بننے اور بگڑنے کے مفہوم کو ناصح اسلام نے ایک شعر میں ختم کر دیا ہے۔ امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کا ارشاد ہے :-

دَوَاءُكَ فِيكَ وَلَا تُبْصِرُ   دَوَاءُكَ مِنْكَ وَلَا تَشْعُرُ

اے انسان! تیری دوا تجھ میں ہے اور تو نہیں دیکھتا کہ تیرا مرض

بچھ سے ہی پیدا ہوتا ہے اور تو نہیں سمجھتا۔

تندرستی اور بیماری، صحت و مرض یہ دونوں آپس میں متضاد ہیں۔ جس وقت کہ شخصی صحت و مرض یعنی ایک جسم کا بگڑنا اور بننا سمجھ میں آجائے گا۔ تو اس وقت قومی فساد و اصلاح بھی آسانی سے عقل انسانی میں آسکتی ہے۔ ایک جسم کے صحیح ہونے کے کیا معنی؟ ایک بدن کے بننے کا کیا مقصد، ایک تن کے تندرست ہونے کا کیا مطلب؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ کسی ذی روح کے جسم کا حدِ اعتدال پر ہونا یا ہر قوت کا اپنے پیمانہ پر کام کرنا یا ہر پرزہ کا ٹھیک طور سے مصروف عمل ہونا۔ اسی کا نام صحت ہے اسی کا نام بدن کا بننا ہے کسی تندرست آدمی کو دیکھ کر کہہ دیا کہ اس کے جسم کی طاقت بنی ہوئی ہے کیوں اس لیے تاکہ کل اعضاء و جوارح کی حرکت نقطۂ اعتدال پر ہے۔ برخلاف اس کے اگر مزاج انسانی اپنے اعتدال و مزاج فطری سے ہٹ گیا یا کسی قوت کے کام میں نقصان پیدا ہو گیا یا کوئی پرزہ معطل ہو گیا یا کم از کم اپنے کام کو ٹھیک طور سے انجام نہ دیا تو اسی کا نام ہے مرض، اسی کو کہتے ہیں بیماری، اسی کو کہتے ہیں جسم کا بگڑنا، اب اس کا بنانا اور سنوارنا اسی انسان کے اختیار میں ہے نہ کہ خدا کے۔

اسی وجہ سے کہ انسانی زندگی تین قسموں میں منقسم ہے ایک سن نشوونما۔ دوسرے سن وقوف، تیسرے سن انحطاط —— سن نشوونما انسان کی زندگی کا وہ دور ہے جس میں انسان طولی ترقی کو ختم کر لیتا ہے اور جوان ہو جاتا ہے

اس کے بعد کتنی ہی مقوی غذائیں استعمال کی جائیں ترقی ناممکن ہے۔ اس دَور میں جو غذا خارج سے جسم انسانی میں پہنچتی ہے اس کا زیادہ حصّہ جوہر لطیف کی صورت میں بدن کے اندر محفوظ رہتا ہے اور کم حصّہ جسم سے باہر چلا جاتا ہے۔ یعنی آمد سے صرفہ میں کمی رہے گی تو ترقی ہوتی رہیگی۔ دوسرا دور ہے سن وقوف۔ اس میں جتنی قوت انسان کے جسم سے تحلیل کی بدولت جاتی ہے اتنی ہی بدل کی صورت میں جسم انسانی میں آ جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کی حالت میں نہ زیادتی ہو اور نہ کمی، بلکہ وہ ایک حالت پر ٹھہرا رہے۔ تیسرا دَور ہے سن انحطاط یہ وہ ہے کہ جس میں انسان کے جسم سے تحلیل زیادہ ہو اور بدل کی صورت میں پیدا کم ہو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ روز بروز انسان کمزور ہوتا گیا اور اس کی قوتیں مضمحل ہوتی گئیں آخر کو بگڑ کر خاک کا پیوند ہو گیا۔ یہی جسم انسانی ہمارے واسطے سبق آموز ہے کہ جب تک آمدنی سے صرف کم ہوتا رہا جسم ترقی کرتا رہا اور جس وقت آمدنی کے برابر صرف ہوا تو بھی غنیمت رہا ایک حالت پر ٹھہرا رہا اور جبکہ آمدنی سے خرچ زیادہ ہو گیا تو بس جسم انسانی میں فساد ہو گیا۔ کاش کہ ہم آنکھیں کھول کر اس بات پر نظر ڈالتے کہ ہم نے دوسری قوموں سے کیا لیا اور اپنی جیب سے دوسروں کو کیا دیا۔ یہاں یہ حالت ہے کہ خارج سے تو ایک پیسہ نہیں آتا اور جو کچھ اپنا اندوختہ تھا وہ سب غیروں کے حوالہ کر بیٹھے یہ کیوں؟ اس لیے کہ وہ تمام ذرائع اور اسباب ترک کر دئے جن سے حصول آمدنی کا امکان تھا اور تمام وہ باتیں

اختیار کریں جن سے دوسروں کو نفع پہنچتا ہے ضروریات زندگی کو اتنا وسیع کر دیا کہ ہر شے کی احتیاج زیادہ سے زیادہ ہم ہی کو ٹھہری اپنی ضرورتیں خود پورا نہ کر سکے دوسروں کے دست نگر ہو گئے دوسرے بنے اور ہم بگڑے خدا نے نہیں بگاڑا ہم خود تباہ ہو گئے حالانکہ اگر اب بھی اپنے ائمہ کی سیرت پر غور کریں اور عمل پیرا ہوں تو دنیا میں سے کوئی قوم ہم سے زیادہ ترقی نہیں کر سکتی اس لیے کہ جس کام کا ائمہ نے حکم دیا پہلے تو خود عمل کر کے دکھلایا۔ اس کے بعد اس کی ترقی کے ذرائع بھی بتلا دئے۔ مثلاً تجارت ہے جس پر جناب رسالت مآبؐ عمل کر کے بتلا گئے کہ دیکھو تاجر کو ذلیل نظر سے نہ دیکھنا تاجر خدا کا دوست ہوتا ہے اس کے بعد رسولؐ اللہ کی سیرت پر عمل کر کے امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ دوسروں کے لیے نمونہ بنے۔ اس وقت میں جب کہ آپ عالم اسلامی کے شہنشاہ ہیں سوائے شام و مصر کے تمام عراق و حجاز و یمن، ایران و ترکستان جہاں جہاں تک اسلام پہنچ چکا ہے سب حضرت کے زیر حکم ہے۔ اس وقت بھی کوفہ کا بازار گواہ ہے۔ میثم تمار کی دکان شاہد ہے کہ حضرت کے ہاتھ میں ترازو ہے اور خرمے فروخت کر رہے ہیں باب مدینۃ العلم کو سر بازار دکان پہ بیٹھتے ہوئے شرم نہ آئی نہ ہاتھ میں ترازو پکڑتے ہوئے حیا معلوم ہوئی ایسے تاجر کا بھلا دیوالہ کیا نکلتا جس کے اصول کو نفس رسولؐ نے تعلیم دیا ہو دنیا کی زندگی بہتر حالت سے بسر ہوئی اور آخرت تو ایسی سنور گئی

کہ میثم کی محبت نے خود امام کو اپنے پاس بلا لیا۔ میثم تمار نسلی حیثیت سے نہ تو بنی ہاشم میں سے تھے نہ اولادِ رسولؐ سے نہ آلِ رسولؐ سے نہ سیادت کا شرف انہیں حاصل تھا۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ عمل اچھا تھا قول کے مطابق عمل تھا ہم میں سے کتنے افراد ایسے نکلیں گے جنہوں نے میثم تمار کی سی دنیا حاصل کی ہو اور آخرت بھی ہاتھ سے نہ گئی۔ اور مصائب دنیا کا سامنا کر کے بھی دکھلا گئے کہ دیکھو دنیا والو! حق کا دامن نہ چھوڑنا چاہے کوئی حالت ہو جائے۔ دعوائے محبت کرنا آسان ہے نبھانا مشکل ہے۔ قول امیرالمومنینؑ کی تصدیق ہو رہی ہے کس وقت جبکہ کوفہ کی گلیاں میثم کے خون سے لالہ زار ہیں۔ دست و پا بریدہ ہیں بازوؤں کے خون کے فواروں کی ہر دھار بزبان حال اعلان کر رہی ہے کہ دنیا والو آؤ اور دیکھو کہ علیؑ کے بنائے ہوئے مومن ایسے ہوتے ہیں جو کسی وقت باطل کی حمایت نہیں کرتے۔ سنتا ہوں کہ لوگ کہتے ہیں کہ قیس کی محبت ایسی تھی کہ شمع دل کی لو کچھ اس طرح لیلیٰ کی الفت میں لگی ہوئی تھی کہ نہ تو اسے دست و پا کی خبر تھی نہ دین و دنیا سے کچھ علاقہ کسی پرندے نے سر میں آشیانہ بنا لیا کچھ خبر نہ ہوئی ایسی محبت بھی کس کام کی کہ جس میں خالق کی یاد بھی فراموش ہو جائے، اور آخرت کی طولانی زندگی خراب ہو جائے۔ مصائب و آلام کا سامنا کرنا مشکل ضرور ہے مگر کسی کی محبت میں تلوار کی منزل کو طے کرنا صعب تر ہے۔ نار کو گلزار تو کچھ اور یہ بھی کر دیتی ہیں مگر تلوار کی آنچ پر آپ محبت

چھوڑنا یہ صرف مومنوں کا کام ہے کاش کہ دنیا والے امیرالمومنینؑ کے بتائے ہوئے ایمان کو حاصل کرتے تو کبھی میدانِ رزم سے قدم نہ ہٹتے قابل دید تھا میثم تمار کی محبت کا نظارہ کہ اپنے ہی خونی فرش پر بیٹھے ہوئے دست و پا کے لہو کی چھینٹوں نے لباس کو کچھ اس طرح رنگ دیا ہے کہ نوشاہ معلوم ہوتے ہیں۔ شمشیر بکف جلاد سامنے ہے ادھر سے زبان کے قطع کا حکم ہوتا ہے ادھر تصدیق قول امام کی فکر زبان دہن سے باہر نکال رہے ہیں اور کہتے جاتے ہیں قد صدقت یا امیرالمومنین اگر اس مومن علیؑ کے سوا کوئی اور ہوتا تو کم از کم تلوار کی آنچ دیکھ کر کوفہ کے کسی کوٹھے پر چڑھ جاتا یا کسی کی آڑ پکڑتا یا کوئی اور بہانہ اختیار کرتا مگر کوفہ کی فضا شاہد ہے کہ جان دینے کے بعد بھی میثم کے پائے استقلال میں فرق نہ آیا۔ امیرالمومنین بعد رسالت مآبؐ، دنیا میں ایسے مومن بنانا چاہتے تھے کہ جن سے کسی مومن کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے، ورد دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں۔ میثم کی دنیا تو تجارت کے ذریعہ سے بن گئی اور آخرت محبت اہلبیت پر ثابت قدم رہنے سے۔

آج کل بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ تجارت کیونکر کریں ہمارے پاس تو سرمایہ نہیں کھانے کے واسطے تو کچھ ہے نہیں تجارت کہاں سے کریں تو اسلام کی صحیح تعلیم نے سرمایہ کا بھی محتاج نہیں رکھا تاکہ دنیا سے بیکاری اٹھ جائے۔ عبدالرحمن بن حجاج کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھیوں میں سے مدینہ میں ایک شخص تھا جو سخت تنگدستی اور فقر و فاقہ میں مبتلا تھا۔

اس سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جاؤ اور بازار میں جا کر فرش بچھاؤ اور صرف اپنے پاس ایک صراحی پانی کی رکھ لو لیکن کسی وقت دکان پر سے نہ ہٹنا مقصد حضرت کا یہ ہے کہ پابندی کے ساتھ بیٹھو۔ راوی کا بیان ہے کہ اس شخص نے امام کی ہدایت پر عمل کیا اور خداوند عالم نے اسی ذریعہ سے اس کو رزق عطا فرمایا۔ اور کچھ دنوں میں مالدار ہو گیا۔ بس اب تو حیلہ وبہانہ کے سلسلہ میں کوئی کڑی باقی نہیں رہتی اور کسب معاش میں کوئی عذر عنداللہ قابل سماعت نہیں۔ سرمایہ کی کمی کا بہانہ بالکل بیکار ہے۔ اس لئے کہ انسان کے پاس کم از کم اس کے اعضاء و جوارح تو ہیں ان کے واسطے تو یقیناً کسی سرمایہ کی ضرورت نہیں یہ تو کسی دوسرے کی ملکیت نہیں رہا پانی اس کی بھی کمی نہیں صرف ایک مٹی کے برتن کی ضرورت ہے جو ہر شخص کے گھر میں خواہ وہ کتنا ہی مفلس کیوں نہ ہو، ضرور ہوگا۔ انسان اسی پانی کو لے کر سر راہ بیٹھ سکتا ہے آنے جانے والوں میں پیاسوں کی کمی نہیں ہوتی۔ اور ان کو ضرورت کے وقت ایک پیسہ دینے میں بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ اب صرف یہ سوال رہ جاتا ہے کہ کیا یہ سقائی کا پیشہ اسلام کے نزدیک ممدوح ہے یا مذموم۔ انبیاء علیہم السلام کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جیسے جناب آدمؑ جناب اسمٰعیلؑ جناب موسیٰؑ وغیرہ۔ سیرت رسول اکرمؐ پر ایک نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گھر کے جملہ کام رسولؐ خود کیا کرتے تھے جن کی تفصیل کی چند ان

ضرورت نہیں بعد رسولؐ سیرتِ رسولؐ کا مکمل نمونہ ذاتِ امیرالمومنینؑ جن سے بہتر فضائل کا مجموعہ بعد رسولؐ کسی اور ذات میں ملنا مشکل ہے۔ تاریخ داں حضرات بخوبی واقف ہیں کہ آپ کشتی کا کام خود کیا کرتے آسیہ گردانی کا کام جناب سیّدہؑ کرتی تھیں۔ صحن خانہ میں ایک لکڑی نصب تھی جس میں مشکیزہ لٹکا رہتا تھا۔ علیؑ کو کبھی شرم نہ آئی کاندھے پر مشک رکھتے ہوئے اور شرم کیوں آنے لگی جب کہ ذی روح کی سقایت خلاق عالم کرتا ہے۔ اور ہر ذی روح کو اس کی احتیاج ہے کل شیءٍ حیٍّ مِنَ الماء جناب موسیٰؑ جیسے اولوالعزم پیغمبر نے قوم کی سقایت کی مگر وہ فانی دنیا کی سقایت تھی جو ختم ہو گئی۔ مگر حیاتِ آخرت میں علیؑ ہی ساقی کوثر نظر آتے ہیں۔ رسولؐ اللہ مالک کوثر ولی اللہ ساقی کوثر۔ دنیا کے سب پیشوں سے بہتر اگر دنیا میں کوئی پیشہ ہو سکتا ہے تو یہی سقائی ہے اور نہ اس عبادت سے بہتر کوئی عبادت ہو سکتی ہے۔ کاندھے پر مشک ہے اور یہ گھڑیاں عبادت میں گذر رہی ہیں راستے میں کسی کافر پیاسے نے آواز دی میاں بہشتی ذرا ٹھہرنا کیا دنیا میں کوئی اور بھی ایسا پیشہ ہے جس کے ساتھ بہشت کی معیت ہے یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان اس کو اختیار کرے گا تو دین و دنیا درست ہو جائے گی۔ دنیا تو یوں بنی کہ کسی کے محتاج نہیں رہے آخرت یوں بنی کہ کافر پیاسے کے ہاتھ پھیلے اور مومن نے مشک کا دھانا کھولا ادھر پانی پر نظر ادھر کربلا والوں

کی پیاس کا نقشہ سامنے آگیا آنکھیں اشکبار ہوئیں جنس ایسی گرانقدر کہ سوائے رومال سیّدہ اور کہیں جگہ نہ ملی۔ مجھ سے نہ پوچھئے کہ یہ پیشہ کیسا ہے اس کو تو سقائے سکینہ سے دریافت کیجئے۔ جنہوں نے بازو دے کر جان دے کر اس لقب کو حاصل کیا تھا جناب عباسؑ کی نمایاں کارگزاریوں میں سے سقائی کی خدمت ہے۔ جناب عباسؑ کو یہ خطاب کس وقت حاصل ہوا جبکہ ساتویں تاریخ سے مسلمانوں نے آلِ رسولؐ پر پانی بند کر دیا۔ تو آٹھویں کی شام ہوتے ہوتے تمام بچوں جوانوں بوڑھوں کو پیاس نے بے چین کر دیا۔ جناب عباسؑ نے کنویں بھی کھودے مگر کامیابی نہ ہوئی تو امام حسینؑ نے اپنے بھائی حضرت عباسؑ کو اپنے پاس بلایا اور تیس سوار بیس پیدل ہمراہ کئے اور بیس مشکیں ساتھ کیں یہ سوار ان سقوں کی مدد کے واسطے ساتھ ہوئے سقے تو بیس تھے لیکن خصوصیت سے جناب عباسؑ کا لقب سقہ ہو گیا روزِ عاشورہ سے اتنی خصوصیت اور ہو گئی کہ آپ کو سقائے سکینہ کہنے لگے ـــــ بہر حال بچوں کی پیاس کا اندازہ سوائے سقائے سکینہ کے یا ان جاں نثاروں کے جو واقعہ پر موجود تھے جو ان کی آوازوں کو سن رہے تھے اور سے غیر ممکن ہے میں اس عالم اضطراب کو مختصراً آپ حضرات کے سامنے پیش کرتا ہوں جس کو علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے استادِ معظم مثیر الاحزان میں بیان کرتے ہیں۔ جناب سکینہ فرماتی ہیں کہ نویں تاریخ محرم کو پیاس کی اتنی زیادتی ہو گئی تھی، کہ پیاس نے ہلاکت کی نوبت پہنچا دی تھی۔ پانی بالکل نہ تھا یہاں تک کہ

مشکیں تک خشک ہو گئی تھیں میں پیاس سے بے تاب تھی اور میرے ساتھ
اور بچوں کی بھی یہی حالت تھی میں اپنی پھوپھی زینبؑ کے خیمہ میں گئی کہ ان
کو اپنی پیاس کی خبر دوں شاید انہوں نے ہمارے واسطے کچھ تھوڑا سا
پانی اٹھا رکھا ہو۔ خدا کسی کو وہ منظر نہ دکھلائے جو جناب سکینہؑ نے
دیکھا خیمہ میں پہنچ کر کھڑی کی کھڑی رہ گئیں اور اپنی پیاس کا اظہار
نہ کر سکیں کیونکہ جناب زینبؑ کی آغوش میں جناب علی اصغرؑ تھے، جو
ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔ جناب زینبؑ کی یہ حالت
تھی کہ کبھی آپ کھڑی ہو جاتی تھیں اور کبھی بیٹھ جاتی تھیں۔ فرما رہی
تھیں بیٹا! تیری پھوپھی پر یہ حالت سخت ناگوار ہے کہ جس پانی کے
واسطے تو رو رہا ہے وہ تجھ کو نہ پلا سکے۔ جناب سکینہ فرماتی ہیں کہ جب
میں نے یہ آواز سنی تو اپنا رونا بھول گئی۔ پھوپھی نے پوچھا سکینہ رو رہی ہے
میں نے عرض کی جی ہاں میں ہی ہوں۔ میں نے ان سے اپنی پیاس کا اس
لیے اظہار نہ کیا کہ ان کو اور صدمہ ہو گا۔ میں نے کہا پھوپھی اماں! اگر آپ
کسی کو انصار کے خیموں میں بھیجتیں تو شاید کچھ پانی مل جاتا یہ سن کر جناب
زینب اٹھیں گود میں علی اصغر کو لے کر روانہ ہوئیں اور عزیزوں کے خیموں
میں پانی تلاش کیا پانی کا کہیں پتہ نہ چلا وہاں سے پلٹیں تو اور پیاسے
بچے ہمراہ ہو گئے۔ اب جناب زینبؑ کے دل سے پوچھئے کہ کیا گذری
آغوش میں علی اصغر کا پیاس کی وجہ سے تڑپنا اور گرد بچوں کے رونے
کی آوازیں پانی پانی جناب زینب بے تاب ہو کر ذریت حسنؑ کے خیمہ میں

بیٹھ گئیں کسی کو انصار کے خیموں میں بھیجا کہ ممکن ہے کچھ پانی مل جائے۔ مگر وہاں بھی کہیں پانی نہ ملا۔ اس کے بعد اپنے خیمہ میں پلٹ آئیں۔ اس وقت قریب بیس بچے جناب زینبؑ کو گھیرے ہوئے تھے۔ ارباب انصاف سے پوچھتا ہوں جبکہ نویں کی شب میں پیاس کی یہ کیفیت تھی تو روز عاشورہ کو ان کی پیاس کا اندازہ ہوسکتا ہے دنیا میں بڑے بڑے صابر گذر گئے مگر تاریخ عالم کربلا کے بچوں کے صبر کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ کیونکہ جب تک امام حسینؑ زندہ رہے اس وقت تو یہ بچے برابر کہتے رہے العطش العطش لیکن ادھر جبرئیلؑ کی صدا سنی الا قتل الحسین بکربلا الاذبح الحسین بکربلا تو آوازوں کا انداز بدل گیا۔ اب کوئی جناب زینبؑ کے پاس نہیں جاتا کہ پانی پلا دیجئے اب تو کوئی کہہ رہا ہے وا محمداہ کوئی کہتا ہے وا علیاہ کوئی کہتا ہے وا اکبراہ کوئی کہتا ہے وا قاسماہ کوئی کہتا ہے وا حسیناہ کوئی کہتا ہے وا عباساہ۔ جانتے تھے کہ پانی پلانے والے ختم ہو گئے ہیں ایک بیمار باقی ہے تو وہ اس قابل نہیں۔ میں نے کسی تاریخ یا مقتل میں نہیں پڑھا کہ کوئی بچہ چھوٹے امام کے پاس پیاس کی شکایت لے کر گیا ہو۔ بس خدا ہی جانے شام ہوتے ہوتے پیاس کس حالت پر پہنچ گئی ہوگی۔

مجلس ۵

قَالَ اللہُ تَبَارَکَ وَ تَعَالیٰ فِی کِتَابِہِ الْمَجِیْدِ ہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی ۔

ارشاد رب العزت ہے کہ ہم نے تم کو زمین سے خلق کیا اور پھر اسی زمین میں پلٹائیں گے اور پھر دوبارہ اسی زمین سے نکالیں گے ۔

آیۂ مبارکہ میں تین لفظ ہیں ۔ خلق ، اعادہ ، اخراج ——— خلق کے بعد فنا کی منزل کی طرف اشارہ کیا نُعِیْدُكُمْ نے سمجھایا کہ یہ سرکش انسان اپنی حقیقت کو سمجھے کہ خاک جیسی منکسر المزاج شے سے پیدا ہوا ہے کہیں گردن کشی اختیار نہ کرے نخرجکم نے معاد جسمانی کو بتلایا کیونکہ خلق اور ہے اخراج اور ہے ۔ پیدا کرنا اور ہے نکالنا اور ہے معمولی انسان بھی جانتا ہے کہ بنانا اور ہے اور نکالنا اور ہے ۔ آپ کسی دُکان دار کے یہاں پہنچے اس سے کہا کہ ہمیں فلاں دوا کی ضرورت ہے اگر تیار نہیں ہے تو یہی کہتا ہے نا کہ بنائے دیتا ہوں اور اگر کسی بوتل میں تیار شدہ رکھی ہے تو کہتا ہے نکالے دیتا ہوں ۔ پھول بنانا اور ہے پھول سے عرق نکالنا اور ہے بلکہ یوں عرض کروں کہ روح خلق کرنا اور ہے اور جسم سے روح نکالنا اور ہے ۔ بس یہی صورت آیۂ مبارکہ میں ہے پہلے ارشاد ہوا منہا خلقنٰکم ہم نے تم کو مٹی سے خلق کیا تمہاری ہستی ہی کیا تھی خاک میں اس انسان خاکی کی ہست و بود کی مثال کیا عرض کروں بس عاقل کے واسطے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ انسان ریاض دہر میں آیا زندگی کی شاخ سے پھوٹا کھلا اور مرجھا

گیا یا اس کی زندگی مرغ خوشنوا کی مانند ہے جو کہ شاخ زندگی پر کوئی
دم بیٹھا، چہچہایا اور اڑ گیا اور اسلام نے آغوشِ مادر میں قدم
رکھتے ہی سمجھا دیا کہ جب اس دنیا میں تم آئے تو اذان و اقامت
ہوئی چلے تو نماز ہو گئی منزل اوّل بھی خاک ثانی بھی خاک۔

بعض نا فہم لوگوں کا خیال ہے کہ جب جسم جل کر خاک ہو گیا۔ اور
اس کے ذرّات ہوا میں منتشر ہو گئے تو پھر مجتمع کیسے ہو سکتے ہیں۔ ان
قیاس کرنے والوں کی عقلوں پر خاک پڑے کہ نظر انتخاب دونوں کی
یکساں ہو گئی۔ اگر ہم ان جسم کے ذرّوں کو خاک کے ذریعں سے منتخب
نہیں کر سکتے تو خلاقِ عالم بھی نہیں کر سکتا ہم خلاق عالم کے امور کو
اپنے امور پر قیاس کر کے سمجھنا چاہتے ہیں کہ جو کام ہم سے نہیں ہو سکتا
تو وہ خدا سے بھی نہیں ہو سکتا یہ بات ہم سے نہیں ہو سکتی تو خدا سے
بھی نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ قیامت ہے کہ اگر وہ ہماری طرح ہوتا تو پھر خدا ہی
کیوں ہوتا بندہ ہی نہ ہوتا۔ ہم کیا ہماری ہستی کیا ہمارا علم کیا ہماری قدرت
کیا جو ہم نہیں جانتے تو خدا بھی نہیں جانتا۔ جو ہم نہیں پہچانتے اسے
خدا بھی نہیں پہچانتا۔ دوسری اشیاء کے پہچاننے کا تو ذکر کیا ہے ہم نے
تو اپنے آپ کو ہی نہ پہچانا تو اس پر قیاس کر لیں کہ خدا نے بھی اپنے آپ
کو نہ پہچانا اگر وہ جانتا اور پہچانتا نہ تھا تو خلق کیونکر کیا ہماری قوتِ
امتیاز تو جانوروں کے برابر بھی نہیں اپنے ہی گھروں میں ہزاروں چیونٹیوں
کو دیکھا مگر کس کو تمیز ہوتی کہ کون سی نر ہے اور کون سی مادہ مگر وہ آپس میں

ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں وہ اپنے رزق دینے والے کو بھی پہچانتی ہیں قوت شامہ اتنی تیز کہ پردوں میں شیرینی رکھ دی جائے تو وہ پہنچے۔ تو ہماری قوت امتیاز اس چھوٹے سے جانور کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتی تو ہم چیونٹیوں کے نر و مادہ کو نہیں جانتے تو خدا بھی نہیں جانتا وہ تو وہاں کے خاص بندے جانتے ہیں کہ کون سا نر ہے کون سی مادہ ہے ——— معلوم ہوا کہ ہماری قوت شناخت جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ لہٰذا اگر ہم نہ پہچان سکیں کہ قبر کی مٹی میں جسم کے ذرّے کس قدر ہیں تو اس کو خدا بھی نہیں پہچان سکتا اس کی مثال بعینہٖ یہ ہوگی کہ جس طرح لوگ معدن سے سونا نکالتے ہیں یہ صورت نہیں ہوتی کہ کان سے سونے کے ڈلے نکلتے ہوں بلکہ خاک کے ذروں میں سونے کے ذرے ملے ہوتے ہیں جس طرح ریت میں چاندی کے چمکدار ذرے۔ یہی خاکی انسان اپنے ہاتھوں سے سونے کے ذرے علیحدہ کر دیتا ہے اور خاک کے ذرے جدا۔ ان ذروں کو ہر آنکھ نہیں دیکھتی نہ ہر ہاتھ ان ذروں کو علیحدہ کر سکتا ہے بلکہ ماہرین فن کا کام ہے کہ سونے کے ذروں کو خاک میں سے چن لیتا ہے۔ اب اگر کوئی اس مبصر سے کہے کہ میں تو ان ذروں کو خاک سے علیحدہ نہیں کر سکتا لہٰذا تم بھی نہیں کر سکتے تو سوائے خاموشی اور جہالت کا جواب کیا ہو سکتا ہے ——— آج کل تحقیق کا زمانہ ہے جبکہ انسان خاکی اپنے علم کے ذریعہ اس تمیز کو پہنچا کہ نباتات میں سے دھات کے ذروں کو نکال کر علیحدہ کر دیتا ہے۔ شلغم میں

گندھک کے ذرے ملے ہوئے ہیں امرود میں تانبے کے ذرے ملے ہوتے ہیں شنگرف میں پارہ کے ذرے ابرک میں پارہ کے ذرے انڈے کی سفیدی میں پارہ کے ذرے پوست بیضہ مرغ میں پارہ کے ذرے ۔ ہر آنکھ ان ذروں کو نہیں دیکھتی تو کیا ماہر علم کیمیا کی آنکھ بھی نہیں دیکھتی ۔ خراطین سیاہ میں سونے کے ذرے خراطین سفید میں تانبہ کے ذرے ہر آنکھ ان ذروں کو نہیں دیکھ سکتی واقف علم کیمیا کی آنکھ ان ذروں کو فقط دیکھتی ہی نہیں بلکہ ان ذروں کو ان اجسام سے جدا کر دیتی ہے ۔ بس یہی تو سمجھانا تھا جو جناب ابراہیمؑ نے تمنا کی تھی ۔ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ۔ اے میرے پالنے والے مجھے دکھلا دے تو کیونکر مردوں کو زندہ کرتا ہے ۔ ارشاد ہوا اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی ۔ اے میرے خلیلؑ ! کیا تمہیں اس کا یقین نہیں عرض کی کیوں نہیں ضرور ہے اچھا خلیلؑ ! چار پرندے لو اور ان جانوروں کو ذبح کر کے ان کا گوشت و پوست و استخوان قیمہ قیمہ کر کے اور ذرہ ذرہ کر کے ملا دو ۔ خلیلؑ نے ایسا ہی کیا اور یوں کوٹ ڈالا کہ اب گوشت کے ذروں کا استخوان سے الگ کرنا اور پوست کو گوشت سے امتیاز دینا نظر انسان کا کام نہ تھا اب حکم ہوا کہ ان ریزوں کو مختلف پہاڑوں پر رکھ دو اس حکم کی تعمیل بھی ہوئی صرف جانوروں کے سر خلیلؑ کے ہاتھ میں ہیں ۔ اور ملے ہوئے جانوروں کا گوشت مختلف پہاڑوں پر ۔ خلیلؑ کی نظر پہاڑوں پر جمی ہوئی ہے اور حکم قدرت امتیاز کر رہا ہے کہ یکایک گوشت و استخوان کے

ریزے پہاڑوں سے اترنا شروع ہوئے اور دوش ہوا پر بلند ہوئے۔ اس وقت ظاہر میں نہ کوئی چلنے والا ہے نہ کوئی الگ کرنے والا ہے بلکہ خود ہوا کے جھونکے امتیاز و اتحاد کا کام دے رہے ہیں امواج ہوا کی لطیف انگلیاں باریک باریک ذروں کو چن رہی ہیں۔ حکم خدا نافذ ہو رہا ہے۔ ملے ہوئے ذرے جدا ہوئے پھر اپنا اپنا جوڑ ڈھونڈنا شروع کیا گوشت کا ذرہ گوشت میں استخوان کا استخواں میں۔ خلیلؑ کو حکم ہوا ــــ ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا۔ ان کو پکارو دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے۔ ادھر امام نے آواز دی ادھر طائران بے سر اڑتے ہوئے چلے امام کی آواز کیا تھی قیامت تھی بالائے ہوا قیامت برپا کر دی۔ دلوں میں بصیرت ہو تو امام کی آواز تو وہ ہے کہ مردوں کے ریزے بھی پہاڑوں سے اُتر آتے ہیں اور مردے بھی حیوانوں کے۔ اور وہ بھی بے سر۔ جسموں میں آنکھیں نہ تھیں مگر راہ میں بھٹکے نہیں گردنوں میں کان نہ تھے مگر آواز کو سنتے ہی اڑے دماغ نہ تھا نہ ہو آواز کو پہچان لیا اور انتہائی صحیح شناخت کیا کہ پکارنے والا اپنے حکم سے نہیں بلا رہا بلکہ حکم خدا کا ہے اور اس کا مظہر امام کی آواز ہے۔ اب اگر پہاڑوں سے نہ اترتے تو کہیں ٹھکانا نہیں سوائے نار دوزخ کے۔ غنیمت ہے کہ خلیلؑ کی آواز پر آ تو گئے پہاڑ والے مگر حبیب کی آواز پر احد میں کوئی بھی نہ پلٹا۔ کان تھے مگر ظاہر میں بہرے تھے۔ نظر ہوتے ہوئے اندھے تھے بہرحال خلیلؑ کو إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا یوں ہی نہیں کہہ دیا تھا۔

کہ اس گذرے ہوئے واقعہ میں ارباب بصیرت کے لیے نصیحت ہے عبرت ہے کہ دنیا قیامت کے منظر کو سمجھ لے کہ کس طرح آئے گی اور نفخ صور کیا شے ہے۔ اب دونوں آوازوں کو ملا دوں۔ ثُمَّ ادْعُهُنَّ۔ اے خلیلؑ پھر ان کو بلاؤ اور یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ قیامت کی آواز ہو گی پکارنے والے ہیں خلیل جیسی صفات ہوں گی۔ فرق اتنا ہو گا کہ دادا کی آواز حیوانوں کے لیے قیامت، پوتے کی صدا انسانوں کے لیے قیامت۔ معرفت ہے تو امام کے دامن سے وابستہ جہاں امام کا مسکن وہیں ماموین کی جگہ اور اگر معرفت نہیں تو قسمت برگشتہ ہے راہ بھٹکے ہوئے ہیں۔

الغرض خلیلؑ کی آواز دنیا والوں کو بتلا گئی کہ جو بطن مادر کے اندر ہستی کا لباس پہنا سکتا ہے وہی موج ہوا پر بھی کروٹیں بدلوا سکتا ہے۔ وہی خالق جو شکم کے اندر تین تاریکیوں میں خلعت حیات عطا فرماتا ہے آج ہوا کے کھلے ہوئے دامن میں قبار وجود پہنا رہا ہے اور دست ہوا منزل عدم سے مکان وجود میں لا رہا ہے یہاں تک کہ خلیلِ خدا کی آنکھوں کے سامنے رگوں کے ٹوٹے ہوئے رشتے جڑے سینۂ ویراں میں جان رفتہ آئی بازوؤں میں قوتِ پرواز آئی حکمِ خالق راستہ بتاتا ہوا وہاں لایا جہاں سروں کا حصہ موجود تھا جناب ابراہیمؑ ایک جانور کے سر کو دوسرے کے جسم سے ملا دیتے ہیں مگر جانوروں کے جسم بے سر یوں غیریت پہچان کے اپنے ہی سر کی طرف جھک رہے تھے۔ یہ وہ اعجاز

خلیلؑ تھا جس نے بتایا کہ جس خالق نے ہڈیوں کے ذرے گوشت کے ذروں سے دل کے ذرے دماغ کے ذروں سے جگر کے ذرے معدے کے ذروں سے الگ کر دئیے وہی جسم کے ذرے خاک کے ذروں سے علیٰحدہ کردے گا ——— ہم نے کس دن خاک چھانی ہے جو امتیاز ہوتا کہ اس خاک میں جسم کا ذرہ کون سا ہے ابھی دنیا کا دور باقی ہے ممکن ہے کہ یہ انسان کوئی ایسا آلہ بھی ایجاد کرے جو خاک کے ذروں سے جسم کے ذروں کو علیٰحدہ کردے ذروں کا الگ کر دینا ممکن ہے مگر خاک میں سیال خون کا دوڑانا ناممکن ہے خاک میں جان ڈالنا انسان کا کام نہیں ہے یہ وہی کرسکتا ہے جو خاک سے پیدا کرتا ہے۔ ہمارے واسطے ان ذروں کا جمع کرنا ناممکن ہے لیکن اس کے واسطے کیا مشکل ہے چاہے جسم کے ذرے کہیں سے کہیں پہنچ چکے ہوں کسی جگہ ہوں کسی ملک میں ہوں۔ ہوں گے تو اسکی سلطنت میں۔ اس کی حدود سلطنت سے تو کوئی ذرہ باہر نہیں جاسکتا۔

پھر اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتا ہے کَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔ ذرا غور تو کرو کہ کس طرح وہ زمین مردہ میں جان ڈالتا ہے۔ کہیں یہی خاک سرخ مخمل کے لباس میں نظر آتی ہے جسے دنیا والے اطباء عروس الارض کہتے ہیں کہیں اس مردہ خاک پر گوشت اور اس میں باریک باریک رگیں اور ان میں خون کا دوڑنا۔ معلوم ہوا کے ذریعہ ان حشرات الارض کے ذرے کہاں سے کہاں پہنچ گئے تھے۔ جس وقت

سم برسات آیا اور بارش ہوئی پہلا خاک مختلف لباس میں نظر آنے لگی ۔
بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ ایک جسم کے ذرے مختلف جسموں میں سے کیونکر
علیحدہ ہو سکتے ہیں ۔ یہ ہم اپنی طرف خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔ ہماری سمجھ
میں نہیں آتا کیا قدرت کی سمجھ سے بھی باہر ہے اس نے تو ایک قطرہ کے
مدد سمجھا دیا کہ ذرا پانی کے سلسلے پر غور کرو جس پانی کو تم پیتے ہو کبھی
س پر بھی غور کیا ہے کہاں سے اس کی ابتدا ہوئی اور کہاں انتہا ہے
ن کن مقامات کو پانی کے قطروں نے طے کیا اور جب خاک کے ذروں
کو چھوڑ کے فضا میں پہنچا تو کوئی ذرہ خاک کا ملا ہوا نہ تھا دنیا کے بافہم
گروہ اگر اس سلسلۂ قدرت پر غور کریں تو اس کا ایک ایک قطرہ اس کی ہر
ایک موج ہر گرداب ایک نیا عبرت کا سبق دے ۔ ذرا بیٹھ جائیں آپ
کسی بہتے ہوئے دریا کے کنارے مگر نہ اس لیے کہ پانی کا تماشہ دیکھیں بلکہ
صرف اس لئے کہ خالق کی قدرت دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک
وسیع سلسلۂ قدرت ہے جو بے حد پانی کی چادروں کو لپیٹتا ہوا اس طرف
لے کر جا رہا ہے جہاں زمین میں نشیب ہے اور آخر قدرت اس
بہتے ہوئے پانی کو لے کر وہاں پہنچتی ہے ۔ جہاں فنا کا دامن وسیع ہے ۔
سب سے پہلے قطرے بنتے ہیں ان کے میل سے موجیں اور ان کے اتحاد
سے چادریں اور چادروں کے اتفاق سے دریا پھر مختلف دریا آپس میں
ملتے جاتے ہیں اور ایک ایک سے بخوشی بغلگیر ہوتا ہے مگر اس اتفاق و
اتحاد میں ہر شے اپنی ہستی کو فنا کر دیتی ہے ۔ جب کہیں دوسری شے کی بنیاد

پڑتی ہے۔ جس طرح کہ نقطے جب اپنی ظاہری ہستی کو مٹا دیتے ہیں اس وقت خط کی بنیاد پڑتی ہے جب خطوط اپنی ہستی فنا کر دیتے ہیں اس وقت سطح کی صورت نظر آتی ہے۔ جب سطحیں آپس میں ملتی ہیں اس وقت جسم بنتا ہے یوں ہی قطرے فنا ہو کے موج بناتے ہیں موج فنا ہو کے چادر آب بناتی ہے چادر آب مل مل کے نہریں اور نہریں جب اپنی ہستی مٹا دیتی ہیں تب کہیں دریا بنتا ہے یہ دریا کسی ایک جگہ میں نہیں رہتا فیض رساں طبیعت بے چین کرتی ہے کہ ہر زمین کو سیراب کرکے اور ہر جگہ سے ہو کے نکلو۔ کنویں کی حیثیت اور ہے کہ ہر خواہش مند کو اپنے پاس بلاتا ہے اور دریا کی حیثیت اور ہے کہ وہ ہر پیاسے کو خود ڈھونڈتا ہے صحرا میں ڈھونڈا آبادیوں میں تلاش کیا وادیوں میں پھرا۔ اچھی بری سب ہی زمینوں پر سے گزرا اس کے فیض میں کوئی کمی نہ تھی پھر فیض بھی اس انتہا کا جو بہتا ہوا اپنی اپنی استعداد قابلیت تھی کہ کہیں کی زمین بھی فیض رساں ہو گئی زمین شور جیسی تھی وہ کی ویسی رہی۔ ان دریاؤں کا فیض بہت سے اسباب کا محتاج ہے جو مسبب الاسباب نے ان کے واسطے مہیا کر دئیے ہیں اس کے سمجھنے کے لیے ذرا چشم تصور کو آپ کوہ ہمالہ کی طرف موڑ دیں کہ آج کل جس کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوتی ہیں کہ جس کا وزن کرنا انسان کے امکان سے باہر ہے تو کہہ دیجئے کہ وہ بھی وزن نہیں کرسکتا نہیں خود ہی ارشاد فرماتا ہے ننزل بقدر معلوم ہم ہر شئے اندازے سے نازل

کرتے ہیں۔ پہاڑ کی چوٹیاں اور سفید لباس میں یہ حسین منظر آنکھوں کے سامنے ہو تو آنکھوں کا نور بڑھ جائے مگر عقل حیران ہو جاتے کہ یہ برف کس کارخانہ میں بنا کتنی مشینوں نے اسے جمایا اتنی بلندی پر پانی کیونکر آگیا۔ جس سے کروڑوں من برف بن گیا۔ عاقل کی عقل خود ہی بتا دے گی کہ بلندی پر پانی ٹھہر نہیں سکتا اگر ایک قطرہ بھی ہے تو اپنے مرکز کو ڈھونڈتا ہوا نشیب کی طرف ڈھلک جاتا ہے۔ جب وہاں سے بھی بے چینی کم نہیں ہوتی تو زمین میں اپنی ہستی کو فنا کر کے خشک ہونا گوارا کرتا ہے مگر مرکز سے الگ رہنا پسند نہیں کرتا۔ تو پھر اتنا پانی کہاں سے آئے جس سے گنگا بہے اور ہمالہ کی فلک بوس چوٹیاں برف کا لباس پہن کر خلعت خالق کا شکریہ ادا کریں۔ لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آسمان کے دئے ہوئے تاج ہیں جو آفتاب کی کرنوں سے جگمگا کر اپنی جواہر کاری ظاہر کر رہے ہیں۔ آفتاب کی کرنیں دامن ہوا کو چاک کرتی ہوئی برف پہ پڑیں پگلنا شروع ہوا قطرے بنے پہاڑ سے اترے ان کی طاقت کو مجھ سے نہ پوچھئے فراز کوہ سے چلے پتھروں میں راستہ بناتے ہوئے پہاڑ کے دامن کو چاک کرتے ہوئے آبشاری شکلیں قائم کر دیں چشمے بہہ نکلے نہریں جاری ہو گئیں، ہوتے ہوتے دریا بن گئے زمین و آسمان کے درمیان میں جو اسباب قدرت نے پیدا کئے ہیں اگر ان میں سے صرف آفتاب ہی نہ ہوتا تو ایک قطرہ بھی پانی کا نہ بنتا۔ تو دنیا کے دریاؤں کا فیض اسباب کا محتاج ہے تب اتنا فیض ہے کہ جس

وقت یہ اپنی حدود میں بہتا ہے لوگ اس میں سے نہریں کاٹ کر
دنیاوی فوائد حاصل کرتے ہیں دریا کے اندر نہ کوئی کمی محسوس ہو
ہے نہ وہ اپنی حدود سے پیچھے ہٹتا ہے لیکن جس وقت یہ دریا اپنی
جگہ چھوڑ کر میدان میں آجاتا ہے تو انسان کی تو حقیقت ہی کیا ہے
پہاڑوں کے بھی قدم اکھڑ جاتے ہیں اشجار کے پرے ٹوٹ جاتے
ہیں صحرا کے رہنے والوں کا حشر قابل دید ہوتا ہے خاص کر وہ منظر
جبکہ کسی عریشہ پر کچھ مرد و زن اپنی زندگی سے مایوس بیٹھے ہوئے
ہوں ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ میری زندگی ہو جائے کسی کو کسی
خبر نہیں ہوتی نفسی نفسی کی پڑی ہوتی ہے دنیا کی تمام طاقتیں عاجز
جاتی ہیں۔ یہ ہے ان دریاؤں کی طاقت جو اسباب کے محتاج ہیں۔ پھر
کہیں رحمٰن کی بحرین میں طغیانی آجائے تو اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت کر
سکتی ہے جب تک اپنی حدود میں رہے کمزور سے کمزور بھی مدمقابل
ہوئے فیض میں کمی نہ تھی لیکن جبکہ اپنی حدود سے ہٹ کر میدان میں قدم
رکھا تو بدر کو بدر کبریٰ بنا دیا احد میں احد کا کلمہ پڑھوا دیا۔ خندق میں
ایمان کا رستہ دکھا دیا خیبر میں پل بنا کے نجات کی سبیل کی خدا کے
گھر میں آکے اپنا سکہ جما دیا۔ سقیفہ کے مسلمان کتنے ناقدر شناس
تھے کہ خانۂ خدا کی طہارت تو نبوت و امامت کے ہاتھوں
ہو اور مصلّے بنے اوروں کے اسلام میں کون سا کارنمایاں کیا
جو امام اعظم وغیرہ اعظم کی یہ قدر کی گئی اگر علی سے دشمنی تھی

مصلائے نبوت ہی ہوتا مگر وہاں کچھ بھی نہیں لہذا معلوم ہوا کہ یہ سب
کہنے کی باتیں ہیں بنانے والوں کو رسولؐ اللہ سے ذرا بھی محبت نہ تھی
دعوائے محبت کو اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو اثر تو الٹا دیکھتے ہیں باپ
کا کلمہ پڑھیں بیٹی کے پہلو پہ دروازہ گرائیں' وہی گھر جس میں بغیر
اذن سیّدہ ختمیٔ مرتبت داخل نہ ہوں اس کو جلانے کی دھمکی دی
جائے بیٹی فریادی پھرے کوئی سننے والا نہ ہو نانا کا کلمہ پڑھیں نواسے
فاقہ پر فاقہ کریں ان واقعات کو دیکھ کر دوسرے مسلمانوں کی جراتیں
بڑھ گئیں مدینہ میں آگ لگانے کی دھمکی دی گئی کربلا میں ثانیٔ زہرا کے
خیمہ میں آگ لگا ہی دی۔ شعلے بلند ہوئے بچے پریشان ہوئے دنیا کی
تاریخیں ایسی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں دنیا میں کوئی گھر ایسا نہیں جلا
جیسا کہ خیمۂ آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پھکا۔ کسی شہر میں اگر کسی دکان
یا مکان میں آگ لگ جاتی ہے تو فوراً بذریعہ مشین بجھا دی جاتی ہے
قصبہ وغیرہ میں کچھ خدا ترس کھڑے ہو جاتے ہیں اس مقام پر دشمنی
بھی بالائے طاق رکھ دی جاتی ہے سب بجھانے ہی والے ہوتے ہیں
کربلا میں کوئی بجھانے والا نہ تھا حالانکہ نہر پاس تھی پیاسوں کے خیمے
جلے بچوں کے کرتے بھکے کون بجھائے سقائے آل محمد صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے تو شانے کٹ چکے کون خبر لے ایک ہے بھی تو بستر بیماری
پر ایک اکیلی زینبؑ کیا کیا کرے خیموں کی آگ بجھائے یا پیاسے بچوں
کے جلتے ہوئے کرتوں کے شعلے بجھائے یا بیمار کربلا کو بچائے یا اس

نئی مصیبت میں رانڈوں اور بیواؤں کو تسلی دیں ایسا اضطراب معصومہ عالم کو بھی نہیں ہوا جیسا کہ ثانی زہرا کو ہے کہاں وہ پروردۂ نازو نعم زینت بخش دولت سرائے نبوی کہاں وہ صحرا میں آگ کے شعلوں کی لپیٹ - پیاسے بچوں کے چہروں کا جھلسنا کرتوں میں آگ کا لگنا بیواؤں کا بلکنا وہ جنگل کا سناٹا وہ پہلی پہل کی صحرا نوردی و بادیہ پیمائی ، وہ ماؤں کے سامنے بچوں کے رخساروں پر طمانچوں کا لگنا وہ شاہ زادیوں کو کمینوں کا لوٹنا اور باوجود طاقت کے ثانیٔ زہرا کا کھڑے کھڑے دیکھنا -

مجلس ۶

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وَجَعَلْنَا الَّیْلَ
وَالنَّهَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَا اٰیَةَ الَّیْلِ وَجَعَلْنَا اٰیَةَ النَّهَارِ
مُبْصِرَةً (بنی اسرائیل آیت ۱۲)

ترجمہ : اور ہم نے رات اور دن کو اپنی دو نشانیاں قرار دیا ہے پھر ہم نے رات کی نشانی کو محو کر دیا - اور دن کی نشانی کو روشن بنایا۔

یہ ہے قرآن کی مختصر بیانی کہ دنیا والے جس زمانے کی تشخیص میں حیران و پریشان ہیں کسی نے تو کہا کہ زمانے تین ہیں ماضی، حال مستقبل۔ کسی نے حال کو بے حال کر دیا کہ یہ شمار کے قابل نہیں کیونکہ اس کو قرار نہیں لہٰذا زمانہ منحصر ہے دو قسموں میں ایک ماضی دوسرے مستقبل۔ ارباب فلاسفہ کے نزدیک اس زمانے کا طول اس قدر کھنچا کہ یوں کہہ گئے۔ اِنَّ الزَّمَانَ لا بدایۃ لہٗ ولا نہایۃ لہٗ - نہ اس کی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا - جس زمانے کا احصا دنیا والے نہیں کر سکتے اور جس کا شمار کرنے سے بڑے بڑے حساب دان عاجز ہو چکے ہوں عقل اس وادی کی وسعت کو دیکھ کر تھک کر رہ چکی ہو - خیال اس صحرا کی توسیع کو محال تصور کر کے حیران و ششدر ہو چکا ہو - اہل دنیا جس کے شمار کو محال سمجھتے ہوں اور عدم علم کی وجہ سے ابتدا و انتہا معلوم نہ ہو سکی ہو - قرآن نے زمانے کی ابتدا کو بھی بتلایا اور انتہا کو بھی - اور اس کے شمار کو بھی اور نہایت مختصر لفظوں میں اور وہ بھی دو لفظ - زمانے کا وہ

وسیع میدان جس کی وسعت اہل زمانہ سے کسی طرح نہ سمٹتی تھی اور محال تھی۔ قرآن نے اہل دنیا کے محال کو ممکن کر دکھایا اور زمانہ کا طول سمٹ کر دو لفظوں میں سما گیا۔ نور ظلمت کے پردے میں آکر روپوش ہوگیا وجعلنا اللیل والنهار اٰیتین - ہم نے رات اور دن کو اپنی دو نشانیاں قرار دیا ہے۔ ابد کی وسعت لیل میں سماتی ہوئی زمانے کی ابتدا کو بتلا ہوئی اس کی آیت بن گئی۔ ازل کا طول سمٹتا ہوا نہار کی نورانیت میں ختم ہوتا ہوا زمانہ کی انتہا کو بتلاتا ہوا اس کی آیت بن گیا۔ یہ تھی مظروف کی گنجائش کہ ارباب عقل نے جس امکان کو محال سمجھ رکھا تھا اور جو راہ کہ اہل زمانہ سے طے نہ ہو سکی۔ بہت سے قافلے چلے کوششیں کیں آخر کو عدم کی بستی میں جا بسے اور اس زمانے کی منزلوں کا پتہ نہ لگا ——— یہ ہے قرآن کی سرعت رفتار کہ ایک قدم اس کا زمانے کی ابتدا پر دوسرا انتہا پر — عالم امکان کی سیر کے لیے اس کو تیسرا قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں تو کیا میں آپ حضرات سے اتنا سوال کر سکتا ہوں کہ مظروف میں تو یہ رفتار تو وہ قلب جو اس قرآن کا ظرف ہو اس میں کتنی رفتار ہوگی۔

ہر ظرف و مظروف میں جنساً مغائرت ہوا کرتی ہے ظرف اور ہوتا ہے مظروف اور ہوتا ہے ظرف کی خوبی اور اس کے نقش و نگار کاشف ہوتے ہیں مظروف کے حسن کے حال کے۔ حال کے حسن میں اگر کچھ کمی بھی ہو تو محل کی آرائش و زیبائش اس کو چھپا لیتی ہے اور اس کی خوبی اور دوبالا ہو جاتی ہے لیکن یہ وہاں ہوتا ہے جہاں ظرف اور ہوتا ہے مظروف

ور ہوتا ہے مگر جہاں جنساً مغائرت نہیں ظرف بھی نورانی مظروف بھی
نورانی قرآن بھی نورانی قلب محمدیؐ بھی نورانی نور علیٰ نور بنا کر ہدایت کے
لیے بھیجا سمجھ میں نہیں آتا کہ قرآن نے اس حسین میں کون سا حسن پایا
تھا کہ قلب محمدیؐ کو اپنی منزل قرار دیا تھا شمع قرآن نے خود اپنا
فانوس تلاش کیا ہاں اتنا فرق تھا دونوں کے ظرف میں کہ میدان امکان
کی وسعت سمٹ کر دو لفظوں میں سما گئی۔ بس یہ تھا قرآن کا مدوجزر
اور ذات محمدیؐ کا ظرف وہ تھا کہ صحرائے قدم کا خزانۂ مخفی صرف ایک
لفظ میں سما گیا۔ کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ
الْخَلْقَ لِکَی اُعْرَفَ۔ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے دوست رکھا۔
اس امر کو کہ پہچانا جاؤں پس پیدا کیا میں نے مخلوق کو تاکہ میں پہچانا جاؤں
محمد رصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایسا کوئی عارف نہ تھا پہچاننے والا کوئی موجود
نہ تھا۔ پہچان کے لیے پہچاننے والا بنایا اور خالق سے سب سے پہلے
صفت خلق کا ظہور ہوا۔ صانع کی یہ ایسی صفت تھی جس کا اظہار
سب سے اوّل کیا اور یہی وہ صفت ہے کہ جس سے ذات موصوف
کا کمال معلوم ہوتا ہے اسی صفت ایجاد نے اس انسان کو معراج کمال
تک پہنچایا ہے۔ عالم ایجاد میں اس انسان نے قدم رکھا اپنے کمالات
دکھلائے خود بھی حیران ہوگیا اور عقول انسانی کو متحیر کر دیا۔ خلاق عالم
نے جمادات میں مٹی اور پتھر اور جواہرات خلق فرمائے اس انسان نے اسی
مٹی سے لاکھوں نہیں کروڑوں چیزیں ایجاد کر ڈالیں اس میں طرح طرح

کے کمالات دکھلائے رنگ برنگ کے نمونے تیار کئے سنگ اپنے مقام پر سنگ ہی تھا اس نے اس کو تراشا اپنی صنعت وحرفت دکھلا کے سلاطین دنیا کا محل بنا دیا پتھر اپنی جگہ پر پتھر تھا اس نے اپنے ہاتھوں بنا کر وہ خوبی پیدا کی کہ دنیا والوں کی پیشانیاں اس پتھر کے گھر کی طرف جھک گئیں اس کے ہاتھوں نے پتھر کو اس قابل بنا دیا کہ نگاہ انسانی اب اس پتھر سے ہٹنا نہیں چاہتی۔ دہلی کے لال قلعہ میں موتی مسجد میں کیا رکھا ہے لیکن جب انسان وہاں قدم رکھتا ہے ہر ہر قدم پر اس کے فرش کو دیکھتا ہے کہیں سنگ موسلی کے پہلو سے سنگ مرمر کو ملایا ہے۔ مختلف رنگوں کو ایک مقام میں لا کے انسانی محفل کی آرائش بنا دیا کہ نگاہ انسانی اس کو دیکھے اور بے ساختہ سبحان اللہ کہہ دے۔

اسی طرح آگرہ کے تاج محل میں کیا ہے ادھر انسان اس میں داخل ہوتا ہے ہر ہر قدم پہ اس کے صحن کی خوبی کو دیکھتا جاتا ہے کبھی در و دیوار پہ نگاہ ہے کبھی سقف منقش کی اچھائی کو دیکھتا ہے کبھی اس کی تحریر پر نگاہ جا پڑی تو اب نظر وہاں سے پلٹنا ہی نہیں چاہتی، اس کی تحریر کی سیاہی میں مصور نے کچھ ایسی کشش رکھ دی ہے کہ نور نظر اس کے دامن سے لپٹ کر رہ گیا۔ یہ تو انسانی صنعت ہے کہ مٹی اور پتھر کو ایسا بنا دیا کہ انسان اس کو دیکھا ہی کرے اور کبھی ہٹنے کا نام نہ لے۔ اور یہ خدائی صنعت ہے کہ عالم والوں کی نگاہیں پھر گئیں ہیں مگر چشم قدرت وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتی اگر وہ سو بھی جاتا ہے تو نگاہ قدرت پہلو

گدگدا کر جگا دیتی ہے یا ایہا المزمل قم اللیل الا قلیلا۔ اے میرے چادر اوڑھنے والے اٹھ اور اس رات کے سناٹے میں تھوڑی دیر کے لیے محراب عبادت میں آجا۔ جب اس نے محراب عبادت میں قدم رکھا تو پھر لبِ قدرت کو حرکت ہوئی۔ طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ۔ اے طیب و طاہر! ہم نے یہ قرآن اس لیے نازل نہیں کیا ہے کہ تو کھڑے ہو کر اتنی تکلیف برداشت کرے ــــ اس کا سونا بھی مرغوب، اس کا قیام بھی محبوب، اس کی رفتار بھی خوب، اس کا ہاتھ اٹھانا بھی پسند اور کیوں نہ ہوتا بھی تو خود پسند۔ اس نے تو سب ہی بنائے تھے کوئی عرش پہ بلانے کے قابل کوئی حرم کی مہمانی کے قابل کوئی حرم سے ہٹانے کے قابل۔

اہل بصیرت نے جہاں دیکھا پہچانا اہل عقل نے جس مقام پر نظر ڈالی وہیں ملا۔ اولوالالباب نے اگر صحرا میں تلاش کیا تو صراط مستقیم کی صورت میں ملا۔ بحر میں ڈھونڈا تو کشتی بنا ہوا ملا۔ اہل ایمان نے ڈھونڈا تو مجسم ایمان ہو کے نظر آیا۔ متقین کو امام المتقین ہو کے ملا۔ صدیقین کو صدیق اکبر کی صورت میں نظر آیا۔ مرسلین کو بستر رسالت پر ملا۔ مجاہدین کو کرار ہو کے ملا۔ سیدالمرسلین کو لہجہ مانوس میں ملا۔

اہل بصیرت نے تو پہچانا ہی اس نے تو ارباب بصارت کے سامنے بھی پیش کیا۔ کہیں ستارے نے ٹوٹ کر پہچنوایا۔ راکعین کی صفوف میں انگشتری نے پہچنوایا۔ مجاہدین کی صفوف میں احد میں تیغ ہلالی

نے نازل ہو کے تعارف کرایا پھر بزم میں آیا ہر محفل میں قدم رکھا۔ بزم فقرا میں آیا تو تاج ہل اتیٰ سر پہ رکھے ہوئے آیا۔ محفل امرا میں آیا تو اولی الامر بن کے آیا۔ بزم اولیاء میں آیا تو لباس ولایت زیب تن کر کے آیا علماء میں آیا تو علیم بن کے آیا۔ بلغاء میں بلیغ، فصحاء میں فصیح خطباء میں خطیب سلونی بن کے آیا۔ قاصدین کے لیے دلیل بنا مہندسین کے لیے منارِ ہدایت بنا۔ سالکین کے لیے سبیل۔ قلوب عارفین کے لیے شمس مشرقہ۔ محبین کے لیے ناجی بنا تو مذنبین کے لیے شافع — یہ تھی قدرت کی صنعت کہ جہاں پیش کیا ایک نئے لباس میں، ابوالبشر کے سامنے آیا تو کلمہ میں چھپا ہوا۔ خلیل کی بزم میں آیا تو وہاں بھی کلمہ میں روپوش ہو کے پھر یوں کیوں نہ کہوں کہ باوجودیکہ انبیاء ابھی درجۂ نبوت و رسالت پہ فائز نہیں مگر اس کا کلمہ پڑھوایا جا رہا ہے۔ توحید کی بنا بھی ایک کلمہ پہ اور نبوت کی اساس بھی ایک کلمہ پہ اگر وہ کلمہ نہیں تو نبوت بیکار ہے تب ہی تو ہم کہتے ہیں کہ اگر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ساتھ علیؑ ولی اللہ نہ ہو تو اقرارِ نبوت بیکار ہے مگر یہ جہاں کہیں آیا حجاب میں چھپ کے آیا۔ نہ معلوم کیسا پردہ تھا کہ حجاب ناز کے پردوں میں برسوں پنہاں رہا بیکار تھوڑی پنہاں کیا تھا جو اشیاء نفیس ہوتی ہیں انسان اس کو غیروں سے چھپایا ہی کرتا ہے بیگانے تو پھر بیگانے ہیں بعض اوقات تو یگانوں سے پوشیدگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثال دیکھ لیجئے قدرت نے دہن کے پردے میں زبان، زبان کے پردے میں معنی و مطالب

اور ان معانی میں رموز پوشیدہ ۔ تخم زمین کے پردے میں پنہاں ۔ اس تخم کے پردے میں شجر۔ شجر کے پردے میں ثمر اور ثمر میں اثر چھپا ہوا۔ عالم خلق کی جو اشیاء حجاب میں نظر آئیں گی تو محض اس وجہ سے کہ حد کمال کو پہنچ جائیں جوں جوں کمال حاصل ہوتا جاتا ہے پردہ اُٹھتا جاتا ہے ۔ آبِ نیساں جب تک بے پردہ تھا وہی پانی کا قطرہ تھا اور جب صدف کے پردے میں پہنچ گیا گوہر بن گیا۔ حسینانِ جہاں کے نازک گلوں کی زینت بنا نہیں شاہانِ جہاں کے تاج کی آرائش و زیبائش ہوگیا۔ امراض کے لیے شفا بنا۔ پتھر جب تک بے پردہ رہا وہ سنگ تھا ٹھوکروں سے ٹھکرانے کے قابل تھا۔ ادھر زمین کے پردے میں چھپا کہیں لعل بن کے نکلا کہیں یاقوت کہیں زمرد کہیں فیروزہ۔ کہیں در نجف، مٹی کے ڈھیلے وہی مٹی ہیں جس کی طرف نگاہِ انسانی کبھی دیکھنا بھی نہیں چاہتی ہاں جب وہ حجاب میں پنہاں ہوگئے تو کہیں قدرت نے ہیرا بنا دیا کہیں کوئلہ بنا دیا۔ آج نئی تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ ہیرے اور کوئلے کا مادہ ایک ہے ۔

حقیقت میں اگر یہ پردہ خلاف وضع فطرت تھا تو بھلا بتلائیے تو سہی کہ پردۂ دل میں روح نے کیونکر جگہ پائی کہ اس پردۂ خاکی میں آکر پنہاں ہو گئی ۔ سر روح سے اس پردہ کو ہٹ جانے دیجئے پھر دیکھیں کہ یہ کیونکر پردہ کا مخالف ہوتا ہے اور تو کیا کہوں کہ پردہ کیا چیز ہے ہاں اتنا کہتا ہوں کہ اگر پردۂ قلب کو قدرت عالم خلق

میں خلق نہ فرمائی تو جذباتِ شوق کے چھپانے کی کسی میں قدرت نہ تھی گل کی آغوش میں خوشبو چھپی تاکہ کمال کو پہنچوں ۔ دعائے عاشق نے بھی پردۂ شب ہی کو ڈھونڈا کہ اسی پردہ میں سنا تھا بھی ملے گا تنہائی بھی شمع محفل بھی پردۂ فانوس میں چھپ گئی تاکہ امواجِ طوفان ہوا سے محفوظ رہے ۔ نور کو اولاً دماغ میں چھپایا پھر آنکھ کے سات پردوں میں چھپایا ۔ نور اسی قابل ہوتا ہے کہ اس کو چھپا کر رکھا جائے آسمان میں ہو تو چھپا رہے زمین میں ہو تو پوشیدہ رہے اور جس قدر جو کمال رکھتا ہے اتنا وہ پردہ میں پوشیدہ ہوا کرتا ہے ۔ جمادات نے پردہ کیا تو اس حدِ کمال کو پہنچے کہ شاہوں کے تاج کی زینت ہو گئے نباتات پردے میں رہے تو دہنِ انسان تک آنے کے قابل ہو گئے ۔

بہر حال اس نے تو سب کچھ بنایا لعل بھی خلق کیا ہیرا بھی خلق کیا یاقوت بھی پیدا کیا فیروزہ بھی بلور بھی درِ نجف بھی لیکن ان جواہرات کے پرکھنے کے لیے ایک جوہری کی ضرورت ہے کہ میزانِ نگاہ میں تول لے کہ یہ بلور ہے اور یہ درِ نجف ہے یہ لعل ہے یہ عقیق ہے ، جوہری ہی خوب جانتا ہے کہ کون سا عام لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہیئے ۔ کون سا خاص لوگوں کو دکھلانا چاہیئے اور کون سا شاہوں کے حضور میں تحفتہً پیش کیا جائے ۔ یوں ہی جوہری ازل نے بھی کچھ موتیوں کو چنا ، کچھ لعل چنے مگر ابھی دکھائے نہیں تھے اپنے فرشتوں کو منتظر بنایا اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۔ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں ابھی وہ بشیر عالم ایجاد

میں آیا بھی نہیں فرشتوں کو راہِ انتظار پر لگا دیا کہ انتظار کرو۔ کب تک مدت بھی بتلا دی ۔ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ۔ اس وقت تک انتظار کرو جب تک مَیں اس کو درست کروں ۔ اور اپنی پیدا کی ہوئی روح اس میں پھونک دوں تو تم سب کے سب اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا ——— ایک عجیب بزم انتظار ہو گی فرشتوں کی آنکھیں اس پتلۂ خاکی کی طرف مُڑی ہوئی ہوں گی دل متوجہ ہوں گے ۔ روحیں بے چین ہوں گی کہ کب نفخ روح ہو اور کس وقت یہ انتظار ختم ہو۔ نہ معلوم اس مدت انتظار کو کیونکر کاٹا ہو گا ہمہ تن انتظار بنے ہوئے ہوں گے انتظار ہو گا کہ کب نفخ روح ہو اور گردنیں جھکیں انتظار کی گھڑیاں کٹیں ۔ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ إِلَّا إِبْلِيسَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۔ سب ہی ملائکہ نے سجدہ کیا مگر ابلیس شیخی میں آگیا ۔ اور کافروں میں سے ہو گیا ۔ جس نے اس بشر منتظر کی تعظیم کی وہ روحانیین میں شامل رہا ۔ اور جس نے انکار کیا وادیٔ کفر میں پھینک دیا گیا ۔ طوق لعنت گردن میں ڈال دیا گیا ۔ پھر سوال ہوا قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ ۔ ارشاد ہوا اے ابلیس ! یہ تو بتا کہ جس کو مَیں نے خاص اپنی قدرت سے پیدا کیا اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا ؟ کیا تو نے تکبر کیا ، تو بھی عالین میں سے ہے ؟ عالین خلق ہو چکے ہیں مگر پردۂ نور میں چھپے ہوئے ہیں ۔ کیوں نہ چھپتے ان کا خالق جو کہ اکمل تھا وہ پنہاں ہو کے عیاں رہا اس نے اپنے

کمال کو پردہ میں چھپا دیا تاکہ کمال بڑھتا رہے کہیں نور کے پردے میں چھپایا کہیں حجاب کرامت میں پوشیدہ کیا کہیں حجاب سعادت میں پنہاں کہیں حجاب ہیبت میں تو کہیں حجاب رفعت میں تو کہیں حجاب رفعت میں تو کہیں حجاب علم میں تو کہیں حجاب وقار میں تو کہیں حجاب سکینہ میں تو کہیں حجاب صبر میں تو کہیں حجاب صدق میں تو کہیں حجاب یقین میں جوں جوں پردوں میں چھپتے گئے دون دون کمال بڑھتا ہی رہا اب تو یہ پردہ کچھ عجیب رنگ لایا کہ اپنی اس شمع کو عالم خلق میں سراج منیر بنا کر بھیجا بے پردہ نہیں بھیجا فانوس جبین آدمؑ میں چھپا کے بھیجا جب یہ کمال وہاں نہ چھپ سکا تو قندیل دست آدمؑ میں چھپایا اچھا پردہ تھا کہ نہ تو سامنے ہی آتے تھے نہ پردہ ہی کرتے تھے فرشتوں کی نگاہوں سے پنہاں آدمؑ کی نگاہوں کے سامنے عیاں۔ آدمؑ کے داہنے ہاتھ کے پردے میں اصحاب یمین یوں نظر آئے کہ کوئی تو قیام میں تھا کوئی رکوع میں تھا۔ کوئی سجود میں تھا پردے ہی پردے میں آدمؑ کو عبادت کا طریقہ بتا گئے۔ کلمات کے پردے میں چھپ کے آئے در قبول توبہ تک پہنچا گئے۔ بچھڑے ہوئے کو جنت سے ملا گئے آگے بڑھے نوحؑ تک آئے تو وہاں بھی کچھ نورانی کیلوں کے پردے میں چھپے ہوئے کشتی میں ربط پیدا کر گئے مومنین کو پار لگا گئے اگر کیلیں نہ آتیں تو نہ معلوم اس طوفان بلاخیز میں کشتی کے تختے کہاں بہے بہے پھرتے۔ آئے اور اس پردے میں کشتیٔ نوحؑ کے ناخدا بن کے آئے اگر خلیلؑ تک آئے تو وہاں بھی کلمات

کے پردے میں چھپے ہوئے۔ کلیم تک آئے تو وہاں بھی ضیاء کے پردے میں چھپے ہوئے ادھر ان کی ضد ہے کہ جہاں تک ہو سکے چھپئے۔ ادھر اس اکمل کی ہٹ ہے کہ میں بھی اپنے کمال کو بڑھاتا ہی رہوں گا ــــ جب مخلوق کے پردوں میں پنہاں رہ چکے تو قرآن کے پردے میں چھپے کہیں طٰہٰ کے پردے میں چھپے کہیں یٰسین میں کہیں مزمل میں کہیں مدثر میں کہیں منذر میں کہیں نذیر میں کہیں سراج منیر میں قرآن کے حجاب ختم ہوئے پردہ اٹھا کمال بڑھا اور یہاں تک بڑھا کہ سایہ کا پردہ بھی اُٹھ گیا۔ بے حجابی میں نقص تھا حجاب میں کمال تھا چھپاتا رہا اپنے کمال کو کہ جب ہم چاہیں گے پردہ اٹھا دیں گے پردہ اُٹھ جانا قیامت کا آجانا ہے۔ اگر کوئی کہیں بزم دہر میں بے پردہ چلا آیا ہے تو زمانہ معصر کی انگلیاں گھس کر رہ گئی ہیں۔ اسی بے پردگی نے کسی کو سینکڑوں کنویں جھکوا ڈالے ہیں۔ صحرا نوردی میں پاؤں میں آبلے پڑ گئے ہیں یہی بے پردگی رسوائی کا باعث ہوتی ہے دین سے بے دین بنا دیتی ہے دنیا جانتی ہے کہ شراب ام الخبائث ہے۔ مگر اس نے بھی بے حجابانہ آنا پسند نہ کیا۔ انسان کے ہاتھوں تک آئی تو پردۂ مینا میں چھپی ہوئی آئی دہن تک آئی تو پردۂ جام میں روپوش ہو کے آئی۔ کیسی ترقی زمانہ ہے کہ ایسی نقصان دہ شے جو کہ کچھ دیر کے لیے عقل و ہوش گم کر دے دماغ کی روشنی کو پھیکا کر دے ہوش و حواس جس سے جاتے رہیں وہ پردۂ مینا میں چھپا کر رکھی جائے۔ اور اپنی ناموس کو منظر عام میں بے پردہ پھرایا جائے اگر ایسی ہی پردے

کراہت ہے تو ہم مغربی قوم کو جب جانیں کہ مرنے کے بعد پردۂ مدفن میں نہ چھپیں میت ان کی بے پردہ رہے۔ تب اس بے پردگی کا مزہ معلوم ہو۔ خدا نہ کرے کہ کسی کی میت بے پردہ ہو جائے یہ تو کوئی امام زین العابدینؑ سے پوچھے کہ جب باپ کی میت کو بے پردہ دیکھا تو قلب پہ کیا گذری یا کوئی زینبؑ سے پوچھے کہ بھائی کی لاش کو عریاں دیکھا تو دل کی کیا کیفیت ہوئی یا کوئی سہل سعدی سے پوچھے کہ ذریت رسولؐ کو بازار شام میں بے پردہ دیکھ کر قلب پہ کیا گذری ؟

بہرحال حجاب میں رہنا ہی باعث کمال ہے اور وہ کمال کہ جزو کو کل سے بڑھا دیتا ہے کون نہیں جانتا کہ خون نجس ہے لیکن وہ خون اپنے مقام پر لہو ہی تھا مگر جب نافہ کے پردے میں جاکے چھپا تو اس حد کمال پہ پہنچا کہ اپنے کل سے بڑھ گیا اور شاہان دنیا کے لباس کو معطر کرنے کے قابل ہو گیا ——— گندم جب کئی پردوں میں جاکے مخفی ہوئی تو شرفاء کے دسترخوان پر آنے کے لائق ہوئی اور جو دانے کہ بے پردہ رہے اور بزم ہوا میں سر برہنہ رہے شرفاء ان کی طرف دیکھنا پسند ہی نہیں کرتے۔ یہیں سے یہ سبق ملتا ہے کہ جو شریف ہیں وہ حجاب میں نظر آئیں گے اور جو رذیل ہیں وہ بے پردہ ملیں گے۔ روشنئ ملک مغرب کے فدائی ذرا اس پردے پر نظر ڈالیں کہ اگر یہ پردہ شرفاء میں مذموم ہی ہوتا تو بھی مسیحا فلک کے چار پردوں میں جاکے نہ چھپتے بے حجابانہ منظر عام پر آجاتے۔ پردے میں چھپتے ہی شرافت بھی بڑھ جاتی ہے اور مرتبہ

بھی بڑھ جاتا ہے۔ ادریسؑ اگر دنیا سے پردہ نہ کرتے تو کبھی رَفَعْنٰهُ مَکَانًا عَلِیًّا کے درجے تک نہ پہنچتے۔ خلیل اللہؑ ذبح اسمٰعیلؑ کے وقت آنکھوں پر پردہ نہ ڈالتے تو ہرگز وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰاِبْرٰهِیْمُ کی ندا نہ سنتے۔ یونسؑ بطن ماہی کے پردے میں نہ چھپتے تو آفتاب داغِ رسوائی قیامت کر چکا تھا رسوائی پوش ہو گیا ان کے لیے یہ پردہ۔ اگر امواجِ طوفان کا نوحؑ کے بیٹے کے لیے قدرت غرق کا پردہ نہ ڈالتی تو کبھی کی بینائی چشمِ نوحؑ زائل ہو چکی ہوتی۔

حجاب ہی وہ مقام ہے جہاں کمال آ کے چھپا کمال کے پردے میں انتظار آ کے پنہاں ہوا۔ جوں جوں کمال بڑھتا گیا انتظار کم ہوتا گیا صدف قطرۂ نیساں کے انتظار میں دہن کھولے رہا ادھر قطرہ بطن صدف میں پہنچ کر کمال کو پہنچا ادھر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ پتھر کو لوہے کا انتظار کہ کہیں جلد تراشا جاؤں۔ انگشتری کا نگین بنوں انسان کے ہاتھ کی زینت بنوں۔ اب یہ انسان کی قابلیت ہے کہ ہیرے کو خواہ لوہے کی انگشتری میں رکھے خواہ چاندی میں رکھے چاہے سونے میں رکھے خواہ کوزۂ گل میں وہ ہر مقام پر ہیرا ہی ہے۔ کوزۂ گل میں ہے تو ہیرا ہے سونے میں ہے تو ہیرا ہے چاندی میں ہے تو ہیرا ہے۔ اس کی چمک میں کہیں فرق آنیوالا نہیں اس کی ضو کہیں گھٹنے والی نہیں ہاں رکھنے میں فرق تھا۔ قدرت نے رکھا تو کبھی مہرِ نبوت کا نگین بنا کے رکھا کبھی بسترِ رسالت میں رکھا، کبھی لہجہ مانوس میں رکھا اور انسان نے رکھا تو چھوٹے مقام پر رکھا وہ تو ہر

مقام میں علی اعلیٰ ہی رہے البتہ رکھنے والے ارباب بصیرت کی نظروں سے گر گئے۔ پتھر کو لوہے کا انتظار رہا نگینہ بنتے ہی انتظار ختم ہو گیا۔ لوہے کو آگ کا انتظار کہ کہیں جلد پگل چکوں تو درجہ کمال تک پہنچوں۔ انسانوں کے ہاتھوں میں جانے کے قابل بنوں۔ ان کے مکانوں کی زینت ہو جاؤں۔ آگ کو پانی کا انتظار کہ کہیں جلد یہ جلن دور ہو، آگ کو انسانوں کا انتظار کہ کہیں خلیلؑ مجھ تک آ جائے تو میں بھی سرد ہو جاؤں۔ آب بحر کو ہوا کا انتظار ہُوا کو منزل کا انتظار منزل کو سحاب کا انتظار، ابر کو حکم الہٰی کا انتظار کہ کب حکم الہٰی ہو اور میں پیاسی زمینوں کو سیراب کروں۔ صحرا کے ذروں کو آفتاب کا انتظار کہ کب وہ مشرق سے طلوع ہو اور ہم چمکیں۔ قطرات شبنم کو آفتاب کی ضو کا انتظار کہ کب اس کی کرن پڑے اور ہم گوہر بنیں۔ پھول کو ہوا کا انتظار کہ کب وہ چلے اور میری مہک چمن میں پھیلے۔ سبزۂ خوابیدہ کو نسیم سحری کے جگانے کا انتظار کہ کب وہ چلے اور مجھ میں لہک پیدا ہو لہک کا پیدا ہونا تھا کہ انتظار ختم تھا ——— راہ انتظار بھی وہ خوشگوار راستہ ہے جس کی تکلیفیں راحتوں سے بدل جاتی ہیں جس کی تلخیاں شیریں ہو جاتی ہیں۔ مانا کہ یہ راہ مشکل سے کٹتی ہے مگر کمال اسی میں حاصل ہوتا ہے۔ نطفۂ انسانی کو علقہ کا انتظار اور وہ بھی چالیس روز۔ علقہ کو مضغہ کا انتظار۔ مضغہ کو عظام کا عظام کو لحم کا لحم کو روح کا اور جب قدرت کامل کر چکی تب انسانی آغوش کے قابل ہُوا۔ جب تک ناقص رہا اپنے پاس رکھا اور جب کامل

ہوگیا تو ہم تک پہنچایا ——— جماد کو ہم تک پہنچایا تو کامل کرکے
نباتات کو بھیں دیا تو کامل کرکے حیوانات عطا ہوئے تو حد کمال پر پہنچے
ہوتے۔ انسانوں کی آغوش اس قابل تھی کہ جو شے بھی ان کے ہاتھوں جائے
کامل ہوکر جائے ناقص نہ جائے تو پھر جو بچہ اس نے اپنے گھر سے آغوش
رسالت میں دیا ہوگا وہ کیسا کامل ہوگا ——— ادھر آغوشِ مادر
میں آنا تھا کہ انتظار اور بڑھ گیا ماں باپ کو اب اس کا انتظار ہے کہ دیکھئے
ہمارا بچہ بولتا بھی ہے یا نہیں کہیں گونگا نہ ہو جب وہ گویا ہوا اور بولنے
لگا انتظار میں کمی ہوئی پھر اس کا انتظار رہا کہ دیکھئے ہمارا بچہ چلتا ہے
یا نہیں کہیں لولا نہ ہو۔ جب اپنے پیروں پر چلنے لگا انتظار کم ہوگیا۔ پھر
اس کا انتظار ہوا کہ دیکھئے اچھا اٹھتا ہے یا بد، نیک چلن ہوگا یا بدچلن۔
اگر ماں باپ نے اس کو ابرار لوگوں کی صحبت میں دیکھا تو دل خوش ہوگیا
انتظار کم ہوگیا پھر اس کا انتظار رہا کہ صورت تو اچھی ہے معلوم سیرت
کیسی ہو۔ جب ماں باپ نے دیکھا کہ یہ چادر تطہیر اوڑھے ہوئے ہے
تو انتظار کم ہوگیا۔ معلوم ہوگیا کہ پاک باطن بھی ہے پھر انتظار ہوا کہ
خدا جانے بہادر ہو یا بزدل ہو۔ بہادروں کے مقابلے سے جی تو نہیں
چراتا ہے میدان سے قدم ہٹتے تو نہیں ہیں اگر کہیں اُسے کرار بھی کہہ دیا۔
لافتیٰ بھی کہہ دیا تو انتظار ختم ہوگیا۔

موجوداتِ عالم نے اپنے کمال کو اسی انتظار میں پایا ہے آفتاب کو
مغرب کا انتظار مغرب میں غروب ہونے کے بعد پھر پلٹنے کا انتظار۔

کسی کے لب ہلنے کا انتظار۔ رات کو دن کا انتظار، صبح کاذب کو صبح صادق کا انتظار، ہلال کو بدر ہونے کا انتظار، جوں جوں ماہ نو کامل ہو جاتا ہے انتظار ختم ہو جاتا ہے، انتظار گھٹتا جاتا ہے اب تو یہ انتظار اتنا بڑھا کہ قدرت بھی منتظر بنی کیونکہ دین من حیث التنزیل کامل ہو چکا آیۂ الیوم اکملت لکم نازل ہو چکی۔ مگر من حیث الغلبہ کامل نہیں تمام ادیان پر دین اسلام غالب نہیں ہوا لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا وعدہ پورا نہیں ہوا خدا بھی منتظر ہے فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ اب تو ہمارے انتظار کا کیا کہنا کہ خدا بھی منتظر رسول بھی منتظر قرآن بھی منتظر پھر ہم کیوں نہ اپنے امام کا انتظار کریں۔ انتظار میں بھی فرق ہوتا ہے عام لوگوں کا انتظار اور ہوتا ہے خاص کا اور ہے خاص الخاص کا اور ہے عاشق کے انتظار میں کچھ اور ہی لطف ہے معشوق کے انتظار میں کچھ اور ہی مزا ہے۔ دیر کا انتظار اور ہے حرم کا انتظار اور ہے اگر اور نہیں ہے تو پوچھے کوئی جدار حرم سے کہ کیوں کسی کے انتظار میں شق ہو گئی کیوں اپنے منتظر کو اپنی آغوش میں لے لیا کیوں کھلی اور بند ہو گئی میں نہیں کہہ سکتا کہ اس حرم کے منتظر میں کیسا کمال تھا کہ بطن مادر سے جدا ہونے کے بعد بھی پردۂ حرم میں چھپا دیا پردہ بڑھتا گیا کمال ترقی کرتا گیا۔ شعب ابی طالبؑ میں چھپا دیا۔ اب کمال ظاہر ہونے لگا تو قرآن میں چھپایا کہیں کتاب مبین کے پردے میں کہیں امام مبین

کے حجاب میں کہیں ام الکتاب میں ۔ اور جب نہ چھپ سکا تو نقطہ میں چھپا دیا ۔ تاکہ اغیار کی نظر میں یہاں تک نہ پہنچیں ۔ بس ہم ہی اس وہ میں اس کو دیکھا کریں ۔ پردے میں بھی فرق ہوتا ہے عام لوگوں پردہ اور ہے خاص کا اور ہے شاہوں کا حجاب اور ہے ۔ جتنی جو شے کامل ہوگی حجاب بھی اتنا ہی بہتر ہوگا ۔ برسوں عالم لاہوت میں پنہاں رہے عالم ناسوت میں مخفی رہے اصلاب شامخہ اور ارحام مطہرہ میں چھپے رہے میں نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے منتظر میں کیسا کمال ہے کہ خاتم نبیین کے صلب میں چھپایا خدیجہؑ کے رحم میں چھپایا کبھی حجاب عصمت میں رکھا تو کبھی پردۂ طہارت میں کبھی حسینی حجاب میں ۔ پردہ بڑھتا رہا حسن کی زینت اور بڑھتی گئی ایسے حسین ہوئے کہ اس نے تیرہ پردوں میں چھپا کے نکالا تو ہمنام حبیب ہوئے ان پر نبوت ختم کر دی ان پر امامت کو تمام کر دیا ان کی پشت پر مہر لگی ہوئی ان کے بازو پر لکھا ہوا تمت کلمۃ ربک صدقاً وعدلاً لا مبدل لکلماتہ ۔ پھر پردۂ غیبت صغریٰ میں چھپایا ادھر جوانی نے استقبال کیا ادھر غیبت کبریٰ کے حجاب میں پنہاں کر دیا ۔ جب غیبت کبریٰ کے پردے سے نکالا تو حسن نبوت چھپ گیا ۔ حسن امامت غالب آگیا پردے ہی پردے میں دوش کمال کو پہنچے ۔ عیسیٰؑ کا مصلا پیچھے رہا ہمارے امام کا مصلا آگے رہا یوں کہوں کہ عیسائیوں کا خدا کمال میں بھی تابع رہا ہمارے امام مطبوع ان کا خدا مامور ہو گیا ۔ ہمارا امام آمر رہا وہ یوسفؑ کا حسن تھا کہ زلیخا ہی منتظر تھی یہاں خدا بھی منتظر

رسولؐ بھی منتظر علیؑ بھی منتظر زمانہ بھی منتظر فاطمہ زہراؑ بھی منتظر حسن
منتظر حسینؑ منتظر زین العابدینؑ منتظر غرضیکہ گیارہ امام ان کے منتظر
ہم ان کے منتظر۔ اب تو ہمارا انتظار اور بھی قابل رفعت ہو گیا کہ سیدہ
عالیہ کو ہمارا انتظار ہمارے آنسوؤں کا انتظار حسینؑ کو ہمارا انتظار
امتِ رسولؐ کو مہمان بلانے کا انتظار حسینؑ کو سفر کا انتظار۔ علی اصغر
کو تیرِ سہ شعبہ کا انتظار۔ رانڈوں کو عباسؑ کا انتظار۔

مجلس ۷

قَالَ اللّٰهُ عَزَّ اسْمُهٗ فِیْ کِتَابِهِ الْمَجِیْدِ وَ فُرْقَانِهِ الْحَمِیْدِ - بسم الله الرحمٰن الرحیم : اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ - بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے - فقط لا الٰہ الا اللہ کہنے کا نام اسلام نہیں ہے بلکہ ان تمام احکاماتِ الٰہیہ پر عمل کرنے کا نام اسلام ہے جو جناب باری عز اسمہٗ کی طرف سے بندے پر عائد کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر آمنوا کے ساتھ عملوا الصٰلحٰت کی قید لگا دی گئی ہے - خواہ کوئی اعتقاداً کتنا ہی راسخ کیوں نہ ہو اگر عمل نہیں ہے تو سب بیکار ہے ہماری ترقی کا راز اسی عمل میں مضمر تھا جس کو ہم نے پسِ پشت ڈال دیا ہے ہم نے تو گھر بیٹھے ہوئے یہ نظریہ قائم کر لیا ہے کہ ہم تو امتِ مرحومہ ہیں جو کچھ بھی کریں رحمت الٰہیہ بہر حال ہمارے شامل حال ہے حالانکہ یہ تو دوسروں کا خیال تھا کہ ہم بحیثیت جماعت خدا کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اس لیے خدا ہماری رعایت کرے گا - قرآن مجید نے ان کے اس خیال کو نقل کیا ہے کہ نحن ابناء اللہ و اَحِبَّاءُهٗ - یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں - ہمیں یہ نہیں سکھلایا گیا کہ ہم بھی یہ کہیں نحن ابناء اللہ و احباءہٗ - بلکہ صاف صاف لفظوں میں تنبیہ کی گئی ہے لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَا اَمَانِیِّ اَهْلِ الْکِتَابِ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ وَلَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا۔ سنو! مسلمانو! نہ تمہارے خیالات خام سے کچھ ہوتا ہے اور نہ یہود و نصاریٰ کے تخیلات سے جو بھی بُرا کام کریگا اس کو اس کی سزا دی جائے گی۔

اس سے ہر عقل انسانی اس نتیجہ پر پہنچ سکتی ہے کہ صرف عقاید کے لحاظ سے کامیابی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ عقاید کے ساتھ ساتھ افعال پر بھی نظر رکھنا چاہیئے۔ لہٰذا مسلمانوں کو تمام اقوام عالم سے زیادہ اپنے اخلاق و افعال کو بلند بنانے کی ضرورت ہے اس لیے کہ وہ مدعی ہیں اس رسول کی تعلیم سے مستفید ہونے کے جو ان کے نزدیک تمام انبیار و مرسلین کی امت میں ہونے کے دعوے دار ہیں تو ہم اپنے آپ کو اپنے عمل سے افضل الامم ثابت کریں ——— اس میں کلام نہیں کہ ہم امت مرحومہ ہیں لیکن اسی وقت تک جبکہ سیرتِ رسولؐ پر عمل بھی کریں۔ زبانی تو افضل المرسلینؐ کی طرف منسوب اور افعال میں دنیا کے لیے عذاب یاد رکھنا چاہیے کہ جتنی بڑی ہستی کی طرف انتساب ہوتا ہے اتنا ہی ذمہ داری میں اضافہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے اس کو بالکل صاف طریقہ پر ظاہر کر دیا ہے اس مقام پر جہاں امہات المومنین ازواج رسولؐ کی طرف خطاب کر کے ارشاد فرمایا ہے یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔ اے نبیؐ کی بیبیو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو ——— ابھی یہ مبہم ہے شاید کوئی اس کا یہ مطلب سمجھ لے کہ ازواج رسولؐ اور عورتوں کی طرح فرائض میں گرفتار نہیں

میں۔ احکامِ خدا سے مستثنیٰ ہیں۔ بس ان کی نجات کے لیے قربتِ
رسول کافی ہے۔ پھر اسے صاف کیا گیا۔ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ
مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ۔
یعنی اے نبیؐ کی عورتو! جو بھی تم میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کرے گی
اسے دوگنی سزا دی جائے گی ——— اب تو مسلمانوں کی آنکھیں
کھلیں۔ معلوم ہوا کہ بلند ہستی کی طرف انتساب کی وجہ سے ذمہ داری
میں اضافہ ہو گیا۔ اگر کوئی عورت بغیر اپنے شوہر کی اجازت کے گھر سے
باہر چلی جائے تو اس کی اکہری سزا ہے اور اگر کہیں خدانخواستہ ازواجِ
رسولؐ میں سے کوئی گھر سے باہر قدم نکالے تو سزا دونی ہو جائے گی۔
اسی قاعدۂ انتساب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دیکھیے کہ جو لوگ
اپنے آپ کو اولادِ رسول میں داخل کرتے ہیں ان کی ذمہ داری کتنی
ہو گی حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ زوجہ جسمِ انسانی سے خارج ہوتی
ہے چونکہ زوجہ خارجی شے ہے لہٰذا یہ رشتہ ایسا نازک ہوتا ہے کہ
صرف زبان کی جنبش ہی سے ٹوٹ جاتا ہے اور اولاد کا رشتہ ایسا
مستحکم ہوتا ہے کہ زبان تو زبان اس کو ہاتھ سے بھی نہیں توڑ سکتے۔
مطیع ہے تو بیٹا ہے غیر مطیع ہے تو بیٹا ہے، لائق ہے تو اولاد میں
داخل نالائق ہے تو اولاد میں شامل۔ یوں تو معلوم کتنے باپ دنیا میں
گذر گئے جنہوں نے اپنے فرزند کو بلایا اور وہ نہ آیا۔ اور اب بھی
بہت سے ایسے لڑکے ہوں گے جو اپنے ماں باپ کے خلاف کرتے ہیں

اور برابر گنہگار ہوتے رہتے ہیں لیکن عوام کا گناہ اور ہے اور کسی پیغمبر کے بیٹے کا پیغمبر کے خلاف عمل کرنا اس کا گناہ اور ہے۔ عوام الناس کے فرزندوں کے صرف معافی والدین کے بعد بہت سے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں لیکن جب نوحؑ کے فرزند سے صرف ایک عمل خلاف مرضیٔ رسول واقع ہوتا ہے اور وہ اہلبیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ کیوں محض اس وجہ سے کہ اس کا انتساب بلند ہستی کی طرف ہے۔ خواہ فرزند جناب نوحؑ صلب جناب نوحؑ سے ہو یا نہ ہو اس سے بحث نہیں انتساب اس کا جناب نوحؑ کی طرف ضرور ہے۔ جس پر قول جناب نوحؑ شاہد ہے رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ بارِ الٰہا! بے شک یہ میرے اہل میں سے ہے جس کا جواب رجز آمیز لہجہ میں دیا گیا قَالَ یٰنُوْحُ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ۔ اے نوحؑ! کیا کہہ رہے ہو یہ تمہارے اہل سے نہیں ہے۔ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ یہ تو بدچلن ہے۔ اس کا عمل اچھا نہیں ——— علم نحو سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ جہاں تنوین کے اور فوائد ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ جس وقت اسم نکرہ پر داخل ہوتی ہے تو تقلیل کا فائدہ دیتی ہے قدرت نے یہ نہیں کہا کہ اعمالٌ غیر صالح کہ اس کی تمام زندگی کے اعمال بُرے تھے چونکہ انتساب بلند ہستی کی طرف ہے لہذا ایک عمل بد کی سزا بھی اتنی ہے کہ جس نے تمام اعمال صالحہ کو حبط کر دیا۔ تمام عمر کی اطاعت اکارت ہو گئی صرف ایک عمل کے نہ ہونے سے۔

اعتقاد توحید و رسالت بالکل بیکار ہو گیا۔ جتنی انتساب میں بلندی ہوتی جائے گی اتنی ہی ذمہ داریاں بڑھتی جائیں گی۔ عوام الناس میں سے اگر کسی سے خلاف حکم رسولؐ کوئی امر صادر ہو جائے تو اس کا گناہ اور ہے اور اگر صحابہؓ میں سے کسی سے کوئی امر خلاف رسول واقع ہو تو اس کی سزا دونی ہو گی کیونکہ انتساب بلند ہے مثلاً اگر عام مسلمانوں میں سے کوئی شخص کسی یتیم کو آزار پہنچائے تو اس کی سزا اور ہے اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی عالم کسی یتیم کو دکھ دے تو اس کی سزا اور ہو گی اور عالموں میں سے اگر کوئی صحابی ہو تو اس کی سزا کچھ اور ہو گی۔ اور اگر انتساب دونوں طرف سے بلند ہو اور آخری نقطہ پر ہو تو اس کی سزا کی کوئی حد معین ہو سکتی ہے ؟ یتیم کا ستانے والا بھی صحابی رسولؐ ہو اور ایتام میں سے یتیم بھی یتیمۂ رسولؐ ہو تو اس کی سزا بھی کامل۔ بس اسی موقعے کے لیے کہا ہے :-

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

اسلام نے نجات کا معیار اس پر قرار نہیں دیا کہ کہاں کے رہنے والے ہو کون ہو خواہ کوئی ہو کالے ہو تو گورے ہو تو ہندی ہو تو عربی ہو تو عجمی ہو تو ہاشمی ہو تو عباسی ہو تو ان میں سے جس کے اعمال اچھے ہیں خواہ وہ ایرانی النسل کیوں نہ ہو۔ رسولؐ مدنی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کہنا پڑتا ہے کہ السلمان مِنّا اَھلَ البیت سلمان ہم اہل بیت میں سے ہے۔ اس منّا سے کہیں یہ دھوکا نہ ہو کہ سلمان

بھی مثل اہلبیت ہیں یا اہل بیت کی نظیر ہیں۔ اس لفظ "منّا" کے مفہوم کو قرآن مجید سے معلوم کرنا چاہیے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ جب ابراہیمؑ درگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ جو وہ میری پیروی کرے تو وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تجھے اختیار ہے بخشے نہ بخشے تو غفور رحیم ہے قرآن کی اس آیت نے صاف طور پر بتلا دیا کہ اتباع پیغمبر سے غیر بھی یگانہ ہو جاتا ہے اور نافرمانی سے اپنا بھی بیگانہ ہو جاتا ہے۔ تو السلمانُ منّا اهل البیت کا مفہوم واضح ہو گیا کہ سلمان سچے اتباع کرنے والے تھے۔ اب جو بھی نجات کا متلاشی ہو تو اس کو صدق دل سے پیغمبر کی پیروی کرنی چاہیے۔ اور اگر جادۂ اطاعت سے قدم ہٹ گیا تو اس کی نجات میں شک ہے کیونکہ جناب ابراہیمؑ نے یہی تو عرض کیا تھا وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غفور رحیم اور جس نے میری نافرمانی کی اس کو تو سمجھے اور جس نے میری اطاعت کی تو وہ میرا ہے جہاں میرا مقام ہے وہیں اس کی بھی جگہ ہے میں تو انہوں کو لے کر نار کو گلزار بناتا ہوا فردوس میں یقیناً پہنچ ہی جاؤں گا رہے نافرمان انہیں تو سمجھ لینا۔

یہاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے نافرمان ہیں کہ جن کی بخشش ناممکن ہے اور ممکن بھی ہے۔ قانون اسلام میں حقوق الٰہیہ سے زیادہ حقوق انسانیہ کو اہمیت دی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ اگر کوئی ایک

قرض جو براہ راست خدا کی جانب سے عائد ہے وہ نظر انداز ہو جائے تو حقیقی توجہ اور احساس جرم کے ساتھ خدا اُسے معاف بھی کر دیتا ہے لیکن اگر ہم نے کسی کا دل دُکھایا ہے، کسی یتیم کو ستایا ہے، کسی بیوہ کا حق غصب کر لیا ہے۔ کسی برادر مومن کو ناحق جلا وطن کیا ہے امانت میں خیانت کی ہے قرض خواہ کا روپیہ نہیں دیا ہے تو جب تک وہ خود معاف نہ کرے خدا اس کو معاف نہیں کر سکتا۔ ایسے شخص کی نجات دوسرے کی رضا پر موقوف ہے ایسے لوگوں کو مرنے کے بعد نبی و امام کا پہلو نصیب بھی ہو جائے تو بیکار ہے۔ ایسے جرائم یقیناً بہت اہمیت رکھتے ہیں ان کا مسلمانوں نہ کبھی پہلے خیال کیا نہ اب کرتے ہیں نہ پہلے کبھی احساس ہوا نہ اب ہے انہیں کبھی اس کی پروا نہ ہوئی کہ کس کے آبگینہ خاطر کو ٹھیس لگی، کون پہلو شکستہ ہوا کس کو تکلیف پہنچی کس کا حق چھین لیا۔ کس کے حق میں ناانصافی ہوئی، کس کے جنازے پر تیر برسائے کس کو ناحق گھر سے فریاد کناں نکالا۔ ایسے لوگوں کو اگر بعد مردن رسولؐ اللہ کا پہلو بھی مل جائے تو بالکل عبث ہے۔

دوسرے وہ حقوق ہیں جن کے نظر انداز کرنے والے خواہ کتنے ہی پارسا بنے مگر ان کا بخشا جانا محال ہے کچھ جرائم ایسے ہیں جن کے ارتکاب کے بعد چاہے رسولؐ اللہ ان سے راضی بھی ہو جائیں مگر خدا ان سے راضی نہیں ہوتا۔ جس پر قرآن حکیم کی آیت شاہد ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَى

عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِيْنَ ۔ اے رسولؐ! کچھ لوگ تمہارے پاس آکر قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اچھا اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو خدا کبھی فاسق قوم سے راضی نہ ہوگا ——— معلوم ہوا کہ رسول اللہؐ کے زمانے میں ایک قوم ایسی تھی جو فاسق تھی ان کے حق میں رسول اللہؐ بھی رضی اللہ عنہم کہیں تو بالکل بیکار ہے۔ اب لفظ فاسق کے فیصلہ کے لیے کتنے ہی لغت سامنے رکھ لیے جائیں پھر بھی فیصلہ ناممکن ہے۔ چونکہ قرآن خود ہی دال ہے اور خود ہی مدلول خود ہی مفسّر ہے اور خود ہی مفسَّر۔ یہ خود بتلائے گا کہ فاسق کون ہے اور اس کی بخشش محال ہے ۔ اوّل فاسق شیطان ہے۔ ارشاد رب العزّت ہے کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ وہ جنّوں میں سے تھا امر رب کی وجہ سے فاسق ہو گیا۔ حضرت شیطان نے کون سا ایسا گناہ کیا تھا جس کی معافی ناممکن قَالَ يَا اِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ——— اے ابلیس! جس کو میں نے اپنے خاص دست قدرت سے بنایا اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس نے روکا اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ کیا تو بھی بڑے لوگوں میں سے تھا۔ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ حضرت شیطان بھی کتنے رتبہ شناس ہیں یہ نہیں کہا اَنَا خَيْرُ الْعَالِيْنَ ۔ میں عالین سے بہتر ہوں۔ جانتا تھا کہ عالین کا مقابلہ ٹھیک نہیں قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ میں اس سے بہتر ہوں۔ نہ اس کو خدا کی خدائی سے انکار ہے نہ جناب آدمؑ کی نبوت پر معترض ہے نہ معاد سے

انکار ہے۔ اعتراض ہے تو عدلِ الٰہی پر ہے کہ یہ تو تیرے عدل کے خلاف ہے کہ باوجودیکہ میں ناری اور یہ خاکی ہے بھلا یہ بھی کوئی انصاف ہے کہ شریف کو رذیل کی متابعت کا حکم دیا جائے ایک طاقتور کو کمزور وضعیف کا مطیع و منقاد قرار دیا جائے یا نور و نار جیسی روشن ہستیوں کو چھوڑتے ہوئے خاک جیسی ذلیل شے کو منبع ہدایت بنایا جائے ایک کہنہ اور سال خوردہ نوزائیدہ کا حکم مانے جس کی عمر بقولے جمعہ جمعہ آٹھ دن کی کیا آٹھ گھڑی کی بھی نہیں ہے اس کے سامنے کیونکر جھکے۔ ایک کبیر السن بھلا بچہ کے سامنے کیونکر جبین نیاز خم کرے اور کچھ نہ سہی تو کم از کم ہم چشموں میں سُبکی کا خیال ضرور ہے۔ اس کا جواب قدرت کی طرف سے کیا ملا۔ خَلَقْتُ بِیَدَیَّ۔ اے ابلیس! یہاں عمر و سن کا لحاظ نہیں قیاس سے کام نہ لے تُو نے انتساب پر غور نہیں کیا۔ میں نے اس کو بنایا ہے کسی جماعت کا بنایا ہُوا نہیں ہے اچھا تو اس کے سامنے نہیں جھکتا اور مجھ کو عادل نہیں سمجھتا فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ۔ جا دور ہو ہماری بارگاہ سے تو مردود ہے۔ معلوم ہُوا کہ جو بھی ہادی منصوص من اللہ کے سامنے جبین نیاز خم نہ کرے اور اس کی اطاعت سے انکار کرے تو وہ فاسق ہو جاتا ہے اب اگر جناب آدم علیہ السلام ابلیس کے لیے رضی اللہ عنہ کا وظیفہ پڑھے جائیں تو کیا کوئی صاحب عقل کہہ سکتا ہے کہ خدا راضی ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ بہرحال اگر جناب آدمؑ کل اجنہ و ملائکہ کو احکام شریعت کی تعلیم دینے

کے واسطے بلاتے اور وہ ان سے کہہ دیتے کہ ہمیں بس شریعت کی کتاب کافی ہے آپ کے فرمانے کی کچھ ضرورت نہیں تو معمولی عقل والا بھی اس کو منشاءِ الٰہی کے مطابق نہیں بتلا سکتا کیونکہ شریعت کی کتاب ان فرامین کا مجموعہ ہوتی ہے جو حاکم مطلق کی جانب سے بطورِ ہدایت اس صاحب شریعت کو پہنچتے ہیں۔ درباری رموز اور آداب کو کوئی درباری ہی سمجھ سکتا ہے دوسروں کو اتنی تمیز کہاں بادہ جانے جو اس درباری کا رازدار ہو۔ اچھا اب اس صورت میں کہ ملائکہ واجنہ جناب آدمؑ سے انکار کر چکے کہ ہمیں آپ کے درس کی ضرورت نہیں ہے شریعت کی کتاب کافی ہے پھر بعد جناب آدمؑ کے ملائکہ واجنہ کو خیال پیدا ہوا کہ مجموعہ فرامین مرتب کر لیا جائے کیونکہ ان کے پاس تو موجود ہی نہیں ہے۔ سن تو لیا ہے مگر اس کو باقاعدہ نقل کر کے اپنے پاس رکھا نہیں۔ اتنی جماعت میں سے کبھی کسی کو خیال ہی نہ آیا کہ ایک نسخہ نقل کر کے صاحبِ قانون کے پاس لے جاتے کہ اس کو ملاحظہ فرما لیجئے اگر سہواً کہیں غلطی ہو تو اس کی تصیح کر دیجئے۔ اور ذرا دستخط بھی فرما دیجئے۔ یہ تمام باتیں مفقود ہیں اب فرامین کی تکمیل ہو تو کیونکر ہو مختلف افراد کو تھوڑا تھوڑا یاد رہ جانا تعجب خیز نہیں لیکن ان لوگوں سے پوچھنا بھی گوارا نہیں ہے جن کو جناب آدمؑ باقاعدہ تعلیم دے گئے تھے تو اس جہالت کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ مجموعہ تو ضرور مرتب ہو جائے گا لیکن ترتیب نہ رہے گی اور حکم الٰہی کی مخالفت اس پر مستزاد

ہو گی کیا یہ سوال پیدا نہ ہو گا کہ معلم شریعت کے پاس مرتب صحیفہ
موجود تھا اس کی نقل کیوں نہ لی حاکم مطلق کا حکم تھا کہ شریعت
یا الفاظ شریعت سوائے آدمؑ اور ان کے اوصیاء کے اور کسی سے
حاصل نہ کرنا اور ملائکہ جا پہنچے ابلیس کے مکتب میں تو ایسی صورت
میں حکم الہٰی کی اطاعت کہاں اور عبادت کیسی یہ تو عین مخالفت
الہٰی اور معصیت کہلائے گی تو پھر وہ ملائکہ کب کہلائیں گے
بلکہ شیاطین بن جائیں گے اور فاسق متصور ہوں گے کیونکہ رنگ نفاق
ان کے طرز عمل سے ظاہر ہو جائے گا۔ ایسی حالت میں ارباب عقل
ان کو مقرب الہٰی کا خطاب دے سکتے ہیں ان کے افعال کی تاسی
کر سکتے ہیں، لا واللہ ہرگز نہیں۔ اگر اجنہ و ملائکہ سے جناب آدمؑ کی
بارگاہ میں ایسی غلطی ہوتی تو ضرور وہ جناب باری عزاسمہٗ کی بارگاہ میں
ان کی شکایت کرتے اور ان کی شکایت قابل سماعت تھی لیکن ان کی
جناب میں کسی سے بھی غلطی نہیں ہوئی ان کے واقعات شکایت سے
خالی ہیں۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارا رسول پھر کیوں بارگاہ الہٰی
میں اس قانونِ شریعت کے متعلق شکایت کرے گا قَالَ الرَّسُوْلُ
يَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا "بار الہا! میری
قوم نے اس قرآن کو پسِ پشت ڈال دیا تھا" تو یہ شکایت غلط ہے
یا صحیح مگر کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ غلط ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ
ضرور مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑا احکامِ قرآن کو بدل ڈالا اجزاءِ قرآن

حلال ہونے لگے۔ قرآن تو برابر صدا دیتا رہا فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ احکام شریعت کو اہل ذکر سے پوچھنا۔ مسلمانوں نے قرآن کی ایک نہ سنی کسی کو محراب مسجد میں قتل کرڈالا، کسی کے کلیجہ کے ٹکڑے لگن میں نکلوا لیے، کسی کو صحرائے بے آب و گیاہ میں تین دن کا بھوکا پیاسا ذبح کرڈالا، کسی کو قید کا آہنی زیور پہنا کر مع اہل حرم بازاروں میں پھرایا، کسی کو زہر دلوایا۔

مجلس ۸

قَالَ اللّٰهُ عَزَّ اِسْمُهٗ وَجَلَّ ثَنَاءُهٗ فِیْ قُرْاٰنِهِ الْحَمِیْدِ وَکِتَابِهِ الْمَجِیْدِ ۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّهُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۔

جناب باری عز اسمہ کا ارشاد ہے کہ پہلا گھر جو لوگوں کی ہدایت کے واسطے بنایا گیا وہ گھر مکہ میں خانۂ کعبہ ہے وہ گھر خلائق کے واسطے باعث برکت و ہدایت ہے اس میں خدا کی بہت کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ منجملہ ان کے ایک مقام ابراہیمؑ ہے جو بھی اس میں داخل ہوا وہ مامون ہے۔ وہ خدا کی پناہ میں آگیا اور لوگوں پر واجب و لازم ہے کہ رضائے الٰہی کے لیے خانۂ کعبہ کا حج کریں اور یہ حج انہیں لوگوں پر واجب ہے جو مستطیع ہیں۔ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ اور جس نے کفر اختیار کیا یعنی حج واجب کو ترک کیا تو خوب سمجھ لے کہ خدا کا تو کوئی نقصان نہیں اس میں اپنا ہی ضرر ہے اللہ تو تمام عالم سے بے پروا ہے۔ اگر کل عالم کے مسلمان حج کو ترک کردیں تو اس کا کیا بگڑتا ہے۔ وہ تو ہر طرح مستغنی ہے جو کچھ مضرت و منفعت ہے تو وہ بندوں ہی کے واسطے ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تارکِ حج کے لیے یہ زجر آمیز الفاظ کہ مَنْ کَفَرَ توحید کا بھی قائل ہے رسالت کا مقر ہے معاد کا بھی معتقد ہے

ان تمام اعتقادات کے ہوتے ہوئے پھر ایک حکم واجب کے ترک کرنے سے آخر کافر کیوں ہوا۔ اس کی مصلحت حاضرینِ بزم کو نتیجہ میں معلوم ہوگی۔ ذرا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ۔ کو یاد رکھیے گا

آیۂ مبارکہ میں لفظ بیت استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ لغت میں گھر یا مکان کے ہیں مکان فطرۃً اپنے مکین کو چاہتا ہے۔ اس لزوم پر نظر کرتے ہوئے بیت اللہ کے معنی سمجھ میں نہیں آتے اس لیے کہ ہر کمال اس ذات کی طرف منسوب ہوتا ہے جو کمال محض ہے مگر کسی نقص کا اس کے دامنِ وحدت تک گزر نہیں۔ مکان جو مکیں کو لازم ہے اپنے مکین کے احتیاج کی بین دلیل اور روشن ثبوت ہے کسی گھر کا خدا کی طرف منسوب ہو کر بیت اللہ کہلانا اس کی شانِ وحدت اور استغنا کے لیے کہاں تک شایاں ہے پھر یہ بھی کہ خانہ کعبہ کو خود جناب رب العزت کا اپنے خلیل و ذبیح سے بنوا کر اپنی طرف منسوب کرنا اور خود ہی بیت اللہ نام بھی تجویز فرماتا ہے ساتھ ساتھ اسی شبہ کے دور کرنے کے لیے فرما دیتا ہے۔ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ نہ کہ وُضِعَ لِلّٰهِ وہ پہلا گھر جو لوگوں کے واسطے وضع کیا گیا نہ کہ اللہ کے لیے اس کی شان کہیں اس سے اعلیٰ و ارفع ہے کہ وہ قیدِ مکان میں محصور ہو کر خدائی کا دعویٰ کرے۔ یہ تو صنعت آذر کے بندوں ہی کی شان تھی کہ قیدِ مکانی میں گھرے ہوئے ہو کر خدائی کر گئے۔

بہرحال گھر کو دیکھیے تو کوئی خصوصیت نظر نہیں آتی۔ اس کی دیواریں

اسی سنگ و خاک اور پانی سے بنی جو عام طور سے لوگ استعمال کرتے ہیں۔ زمین کو دیکھیے تو دنیا کی زمینوں سے علیحدہ جہاں تخم ہی بار آور نہیں ہوتا اسے اپنے گھر کے لیے ایسی زمین پسند آئی جو ناقابلِ زراعت ہے۔ سوائے خشک پہاڑ اور چٹیل میدان کے کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ سبزہ زار کے لیے آنکھیں ترستی ہیں کیسا ہی تخم ڈالا جائے آب پاشی کی جائے مگر سب کوششیں بیکار ہو جائیں اور تخم رائیگاں جائے غلط ہے اور محض غلط ہے کہ زمین میں قوت امانت ہے زورِ نمو ہے اگر ہر قطعہ زمین میں قوت امانت اور زورِ نمو ہوتا تو ماحصل میں فرق نہ ہوتا۔ ہر قطعہ ارض نہال زعفران سے نہال ہوتا۔ حالانکہ مشاہدہ بالکل اس کے خلاف ہے قدرت نے جیسی خاصیت جس زمین کو عطا فرما دی ہے وہ اسی کی امانت دار ہے جو بنجر ہے اسے زراعتی ہونا گوارہ نہیں جو ریتلی ہے اسے پتھریلی ہونے کی خواہش نہیں یہ فعل خدا ہے جسے جو دے دیا وہ اسی میں خوش ہے دوسرے کی متاع کی طرف رغبت نہیں وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ اچھی زمین میں بھی نباتات حکم خدا سے اُگتا ہے وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا۔ اور جہاں کی زمین ہی خبیث ہے، وہاں اثر بھی خبیث ہے۔ قرآن ایک عام کلیہ بیان کر رہا ہے، اچھی زمین میں تخم رائیگاں نہیں ہوتا اور حکم خدا سے جب اُگے گا تو اصلیت لے کر۔ گندم از گندم بروید جو ز جو۔ گو کہ زمین کعبہ ناقابل زراعت ہے مگر کس کی زبان میں طاقت ہے جو کعبہ کی زمین کو ناقص کہہ دے جب

خود جناب باری اس جگہ کو اپنی طرف منسوب کرے۔ اس ارض مقدس سے بہتر اور کون سی زمین ہو سکتی ہے اور کس میں زور نمو ہو سکتا ہے۔ خلیل اللہؑ کی زبان سے ضرور نکلا۔ رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غیرذی زرع عند بیتك المحرم پارالہا! مَیں نے اپنی ذریت میں سے بعض کو تیرے محترم گھر کے قریب ناقابل زراعت زمین پر لا کر بسا دیا ہے۔ خلیلؑ اللہ کوئی معمولی انسان نہیں جو دوست کی جگہ کو ناقص کہہ دیں۔ بلکہ آپ کا فرمانا اس جہت سے ہے کہ تخم فانی یہاں ڈالو گے تو رائیگاں جائے گا۔ اس ارض مقدس میں تو وہ تخم بارور ہو گا۔ جو دست فنا کی دست برد سے محفوظ ہو اس ارض مقدس کا زور نمو دیکھنے کے لیے طیبین کی ضرورت ہے غیر طیب شجر طیبہ کی بالیدگی کو کیا دیکھے یہ تو کسی عصمت پوش ملک سے پوچھئے جو شجر طیبہ کی ایک ہی فرع سے لپٹ کے رہ جائے۔

اس بیت اللہ اور دیگر گھروں میں ایک فرق ضرور محسوس ہوتا ہے کہ اور گھروں کو معمار بناتے ہیں اور اس مکان کو خلیلؑ و ذبیحؑ جیسی مقتدر ہستیوں نے بنایا لیکن اگر اس کے راز پر غور کیا جائے تو دنیا کے کسی گھر کو اس گھر سے کوئی نسبت نہیں جناب رب العزت مستغنی اور بے نیاز ہونے کے باوجود اس پتھر اور گارے کے بنے ہوئے گھر کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے تو آخر کیوں؟ اس وجہ سے کہ ہر دائرہ ایک مرکز چاہتا ہے ہر بزم کے لیے ایک صدر نشین کی ضرورت ہے۔ اہل اسلام

کے لیے ایک ایسا مرکز ہونا چاہیے جو موحد گروہ کے اتحاد کی مصوری کر سکے گھر بھی ایسا ہو جو خدا کی طرف منسوب ہو عبادت بت پرستی نہ کہلائے اس میں حبیب کے محبوب کو پیدا کر دیا تاکہ سجدے اوپری دل سے نہ ہوں۔ عمارت انبیاء کے ہاتھوں بنوائی تاکہ سجدہ کرتے وقت ساجدین کو شرم نہ آئے اور نماز پڑھتے وقت توحید و نبوّت و امامت تینوں کی یاد تازہ ہو کر ساغرِ دل اسلام کی پُرجوش محبّت سے لبریز ہو جائے۔ پھر اپنی عبادت کے مآل پر نظر کر کے معاد و عدلِ باری کے نقش دل پر ابھر آئیں اور مذہب حقہ کے اصول خمسہ کا نقشہ آئینۂ دل پر دن میں پانچ مرتبہ ابھر کر نظر آئے گھر کو بہترین صورت پر بنوا کر سال میں ایک وقت مقرر کر دیا کہ تمام دنیا کے مسلمان جمع ہو کر اس موسم میں حج بیت اللہ ادا کر کے یادِ ایمان کو تازہ کریں۔ پھر یہ اندیشہ تھا کہ آئندہ کسی وقت مسلمان اس گھر کی تعظیم کریں یا نہ کریں۔ جیسا کہ ہوا۔ کبھی کعبہ کا پردہ جلا دیا گیا کبھی دوسرے طریقوں سے توہین کی گئی اور پناہ لینے والے مسلمانوں کو حرم میں پناہ نہ دی گئی ایسے حادثات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قدرت نے پرندوں کو حکم دے دیا کہ اگر انسان بیت اللہ کی تعظیم چھوڑ بھی دیں تو تم نہ چھوڑنا۔ چنانچہ آج تک کسی پرند کی یہ طاقت نہیں کہ وہ بامِ کعبہ کے اوپر سے پرواز کر کے گذر جائے۔ تاکہ کج فہم انسان سمجھیں کہ بیت اللہ کی عظمت و حرمت ہمارے ہاتھوں کی محتاج نہیں بلکہ وہ خدا کی طرف سے ہے اور رہیگی۔

جس کا اعلان مسلمانوں کے سامنے کر دیا گیا۔ جعل اللّٰہ الکعبۃ البیت الحرام قیامًا للناس۔ اللہ نے خانہ کعبہ کو بیت محترم اور خانۂ معظم بنایا ہے قیامًا للناس کا فقرہ سمجھ میں نہیں آتا عوام الناس کیا کیسی ہی متقی ہستی کیوں نہ ہو عام مسجدوں میں سونے کی ممانعت سوائے ذکر الہٰی کے دنیا کا تذکرہ کرنے والوں کا وہی انجام جو تارکین صلوٰۃ کا ہے بہر عام لوگوں کے لیے کیونکر کعبہ جائے قیام ہو سکتا ہے باوجودیکہ کسی وقت کی قید نہیں لہٰذا ضرورت ہے کہ خانۂ کعبہ خود ان لوگوں کی طرف اشارہ کر دے جو ہر حالت میں چلے آئیں جس طرف سے چاہے آئیں حاجب کے دست نگر نہ ہوں کہ دروازہ کھلے تو آئیں محرم راز ہیں۔ جس سمت سے چاہیں چلے آئیں کوئی بندش نہ ہو دروازہ بند ہے ہُوا کرے دوسرا در کھول دیا جائے گا۔ یوں تو سخی کا دربار ہے کریم کا آستانہ ہے جس کا دل چاہے پڑ رہے اور اگر قسمت یاوری کرے تو مر رہے۔

آیۂ مبارکہ میں خانہ کعبہ کی یہ صفت بیان کی گئی ہے هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ تمام عالم کے لیے ہدایت ہے۔ ہدایت کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں اراۃ الطریق یعنی راستہ دکھلانا دوسرے ایصال الی المطلوب یعنی منزل مقصود تک پہنچا دینا۔ اب سوائے اسلام کے جتنی عبادت گاہیں ہیں خواہ وہ مندر ہوں یا کلیسا یا گرجا یا کیسا ہی دنیاوی حشمت والا مکان ہو یا زید کا گھر ہو یا عمر کا یا قیصر و کسریٰ کے محل یا فاتحین شام و

روم کے قصر ہائے معلّیٰ آیا ہے دنیا میں کوئی ایسا مکان مکیں سے بحث
نہیں ۔ کہ وہ اراۃ الطریق یعنی صراط الہیٰ کی طرف صرف اشارہ ہی کردے
یصال الی المطلوب تو بہت دشوار ہے خانہ کعبہ دن میں پانچ مرتبہ
راۃ الطریق کا کام کر رہا ہے مگر صراط الہیٰ کیونکر نظر آئے تعصب کے
پردے آنکھوں پر پڑے ہوئے ہیں قلوب ہیں مگر دلوں میں بصیرت
نہیں سب سے بڑی روکاوٹ طلائی و نقرئی چمک ہے مثلاً ایک حاکم
مسند حکومت پر بیٹھتا ہے اور خلاف عدل کوئی حکم دیتا ہے باوجودیکہ وہ
جانتا ہے کہ انصاف اچھی چیز ہے ظلم بُرا ہے سچ اچھا ہے جھوٹ
بُرا ہے پھر بھی وہ خلاف عدل حکم صادر کرتا ہے تو خلاف عدل حکم دینا
یا تو رشوت کی وجہ سے ہے کہ اس کی زریں تصویر اس سنہری و روپہلی
رنگوں میں لبھا رہی ہے یا کسی کی محبت اس کو یکطرفہ فیصلہ دینے پر
آمادہ کرتی ہے یا کسی کی عداوت میں نفس آمارہ ضمیر کے خلاف حکم لکھواتا
ہے اور اپنی نفسیاتی تشفی چاہتا ہے ۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ انسان ذی عقل و
ذی فہم سے خلاف حق کرانے اور بے راہ چلانے والی یہی تین چیزیں ہو
سکتی ہیں یعنی خواہشاتِ نفسانیہ ، تقلیدات اور تعصبات مذہبیہ ، تقلید و
تعصب کی پٹی آنکھ کو راہ حق کے دیکھنے سے باز رکھتی ہے ۔ خواہشاتِ
نفسانیہ کا حجاب نورِ عقل کو چھپا لیتا ہے نفس امارہ زینتِ دنیا کی طرف
مائل ہو جاتا ہے ۔ جب تک انسان ان ظلمات ثلثہ میں گرفتار رہے گا ،
کبھی صراط الہیٰ کو نہیں دیکھ سکتا ۔ جس وقت بھی ان تینوں سے روکش ہو

اسی وقت صراط الہٰی کو دیکھ لے گا اور یہی کعبہ صراط الہٰی کی طرف اشارہ کرتا ہوا نظر آئے گا طواف کرنے والے بہت سے آئے جناب نوحؑ کہوں یا آدمؑ ثانی وہ بھی طائف ہوئے۔ خلیل اللہ و کلیم اللہ و روح اللہ سب نے اس کا طواف کیا مقربان الہٰی ممکن ہے اس میں معتکف رہے ہوں مگر دنیا والوں کو کسی کے زمانہ میں خانہ کعبہ کے ایک ذرہ نے بھی ہدایت نہ کی حالانکہ دعوٰے یہ ہے کہ ھدیً للعٰلمین تمام عالم کے واسطے ہدایت ہے جو دعوٰے ہے بالکل صحیح ہے آیت میں بکۃ کہہ کر تمام عالم کے مرکز کی طرف اشارہ کر دیا۔ جیسا کہ پرکار کا دائرہ ہوتا ہے دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے مرکز میں توسیع نہیں ہوتی لہذا جتنے مدور خطوط خانہ کعبہ کے چاروں طرف کھینچے جائیں گے اور ان خطوط پر مسجدیں بنائی جائیں گی تو سب کی سب مسجدیں ایک مرکز کی طرف اشارہ کرتی نظر آئیں گی لہذا آخری خط زمین کے اختتام پر کھینچا جائے گا اور اس پر بھی مسجد بنائی جائے گی۔ تو وہ بھی اسی مرکز یعنی خانۂ کعبہ کی طرف اشارہ کریگی شمالی مساجد ہوں تو جنوبی ہوں تو مشرقی ہوں تو مغربی ہوں تو سب کی سب ایک مرکز کی طرف اشارہ کر رہی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سبیلِ الہٰی ایک ہے تمام دنیا کے مسلمانوں کا ایک ہی مرکز ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ ھدیً للعٰلمین کیونکر اس کی صفت ہے۔ عالم کے گھروں میں کہاں یہ قابلیت کہ اس کی دیواریں ہادی ہوں سلاطین دنیا کے قصور کی کہاں یہ شان ہے کہ وہ ہدایت کا کام کریں یہ شرف بھی بیت اللہ کے لیے مخصوص تھا

دیوار میں راستہ بنایا گیا جدارِ کعبہ نے گویا لبِ سکوت سے اراۃ الطریق کا کام کیا کہ میرا کام تو صرف راستہ دکھلانا ہے اور ایصال الی المطلوب اس کا کام ہے جو میرے اندر موجود ہے جس کے لیے راستہ بنایا گیا ہے۔ یہ راز و نیاز کی باتیں تھیں اس مصلحت کو کون سمجھے کہ حبیبؐ پیدا ہوں طاقِ کسریٰ شق ہو اور علیؑ متولد ہوں تو علی اعلیٰ کے مکاں کی دیوار شق ہو جائے طاقِ کسریٰ خود شق ہو گیا لیکن ایک وصل کی راہ نکال گیا کہ عالم میں بہت سے مکان سنگ و خشت سے بنے ہوتے تھے لیکن کوئی متاثر نہ ہوا۔ ارباب فہم کے لیے کھلی ہوئی ہدایت موجود ہے کہ مؤثر کا کوئی قصور نہیں متاثر میں قابلیت ہونی چاہیئے استعداد ہونی چاہیے۔ اہل مکہ کبھی فخر نہ کریں کہ ہم رسولؐ کے ہم وطن ہیں رسولؐ کے محلے میں رہتے ہیں رسول کی صحبت میں بیٹھتے رہیں۔ طاقِ کسریٰ بزبانِ حال اشارہ کر گیا کہ قربِ رسول چنداں مفید نہیں تاوقتیکہ قابلیت نہ ہو۔ اثرِ رسول سے متاثر ہونے کے لئے ایسی زمین کی ضرورت ہے جو کسی عادل کی صحبت میں رہ کر بس گئی ہو۔ اور جن زمینوں میں شرک کی چیونٹیاں رہتی ہوں وہ کبھی متاثر ہو ہی نہیں سکتیں اسی طرح جدارِ کعبہ عادلین کی بنائی ہوئی تھی عادل کو جو معتکف دیکھا خواہش ہوئی ہوگی کہ اب جگہ بدلنی چاہیے خود شگافتہ ہو گئی اور زبانِ حال سے اشارہ کر گئی کہ تمام دنیا تو میری طرف جھکے اور میں اس کی طرف۔ دنیا کا قبلہ میں ہوں اور میرا قبلہ یہ۔ بیت اللہ کے تعارف کے بعد رسول اللہ نے ان لوگوں کو شناخت کرائی جو اسی گھر کے پجاری تھے اور باستثنائے چند

کل عرب اصنام پرست ہیں پتھروں میں خدائی نظر آ رہی ہے لہٰذا جن لوگوں کے دماغ مادیات تک محدود ہیں وہ عالم روحانی کو کیا جانیں اور انبیاء مامور ہیں کہ لوگوں سے بقدر عقول کلام کریں اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے مادی مثالیں دے کر سمجھایا اور ساتھ ہی ساتھ نیابت کا بھی فیصلہ کر دیا۔ جناب رسالت مآبؐ ان لوگوں کو سمجھاتے ہیں جنھوں نے اپنے ہاتھوں اس خانۂ کعبہ کو دیر بنا لیا تھا خداوند عالم نے تو اس کو حرم قرار دیا تھا صاحب ینابیع المودہ صفحہ ۱۵۰ پر فضائل امیرالمومنین میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا۔ یَا عَلِی اَنْتَ بِمَنْزِلَۃِ الْکَعْبَہ یا علیؑ تم بمنزلہ کعبہ ہو تمثیل تو بے نظیر ہے۔ اگر سمجھتے اسی ایک حدیث کو کاش کہ صحیح سمجھیں تو تمام جھگڑے طے ہو جائیں۔ جناب رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) اصنام پرستوں کو بتلاتے ہیں۔ کہ دیکھو علیؑ کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کعبہ یعنی تمام دنیا کے مسلمان مجتمع ہو کر کعبہ کی موجودگی میں بعد رسالت مآبؐ صرف تین گز کے فاصلے پر خواہ جنوباً یا شمالاً ایک دوسرا خانہ کعبہ بناتے اور آپس میں فیصلہ کر لیتے کہ اب حج ہمارے بنائے ہوئے کعبہ کا ہوگا درآنحالیکہ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہوئے اسی صورت و شکل کا تعمیر کرتے سرمو فرق نہ ہوتا یا کعبۂ اول کی تفضیل کے قائل ہوتے ہوئے بناتے کہ بہتر تو ہر حیثیت سے کعبۂ اول ہی ہے لیکن کعبۂ ثانی جو ہمارا بنایا ہوا ہے صرف اس کا حج کر لیا کرو تو آیا وہ اس صورت میں مسلمان رہتے یا نہیں۔ ارباب عقل خود

فیصلہ کریں دوسرے یہ کہ خداوند عالم نے تمام مسلمانوں پر جو مستطیع ہوں
واجب کیا ہے تمام دنیا کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کے
پاس جائیں نہ کعبہ پر واجب ہے کہ وہ مسلمانوں کے پاس آئے۔ بفرض محال
اگر تمام دنیا کے مسلمان کعبہ کے خلاف ہو جائیں اور اس کے پردوں میں
آگ لگا دیں اس کی دیواروں کو منہدم کر دیں تو ہر حالت میں عنداللہ و
عندالرسول حرم رہے گا۔ خداوند عالم نے تو اس کو پہلے حرم بنایا تھا۔
لیکن فہم انسانی ہاتھوں سے کچھ زمانے تک ویرانہ رہا ویرانے والے کافر
ہو گئے دامن حرمت کعبہ پر کسی قسم کا دھبہ نہ آیا۔ جب ہی تو قدرت نے
کہا ہے وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ۔ چونکہ کعبہ کل عرب
کا مرکز تھا لہٰذا رسول اللہ نے اس کے پجاریوں کو مادی تمثیل سے سمجھایا یا علی
انت بمنزلۃ الکعبہ اور جب عرب کے لوگ رسول اللہ کی معیت میں
مجاہدین ہوئے تو ان کے سامنے لباس کرار میں پیش کیا کبھی کہہ دیا۔
برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ۔ امراء کو اولی الامر کہہ کے پہچنوایا۔ اولیا
کو ولی اللہ کہہ کے۔ فقراء کو تاج ھل اتیٰ دے کے۔ چونکہ یہ مقامات تعارف
محدود تھے اور رسولؐ کل عالم کے لیے مبعوث ہوئے تھے لہٰذا کل اہل بر
کے لیے صراطٌ علی مستقیم کہہ کے پہچنوایا۔ اہل بحر کے لیے کشتی بنا دیا۔
مثل اہل بیتی کمثل سفینۃ نوحٍ من رکبھا نجیٰ ومن تخلف عنھا
غرق وھویٰ۔ یہ مادی انسانوں کے لیے تعارف تھا جو حیات میں
لا کے پہچنوایا لیکن فرشتوں کے پہچنوانے کا دوسرا انداز ہے مقام بزم

رسول نہیں ہے مقام رزم ہے بزم والے اونچائی سے جنگ کا معائنہ کر رہے ہیں لڑائی بن کر بگڑ چکی ہے لشکر اسلام میں تلاطم برپا ہے مسلمانوں کے قدم اکھڑ چکے ہیں وقت نازک ہے کچھ لوگ احد کی بلندی سے رسولؐ اللہ کے قتل ہو جانے کی تصدیق کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو مشورہ دے رہے ہیں کہ چلو اپنے بھائیوں سے مل جاؤ اس حمایت سے ان کے خاندان کی وہ عورتیں جو ڈھول بجا بجا کے اپنے وصل کا مژدہ کافروں کو سنا رہی ہیں نہایت خوش ہوئی ہوں گی کہ آخر کو قرابت رنگ لائی اور لشکر اسلام میں پھوٹ پڑ گئی مگر ابوسفیان اور ان کی زوجہ ہندبنت عتبہ اور ابوجہل کے سارے خاندان والوں کی تمنائیں خاک میں مل گئیں اور شیرانِ اسلام نے وہ تیغ زنی کی کہ سفیانیوں کے دل چھوٹ گئے اس مقام پر علامہ طبری نے مجاہدینِ اسلام کے نام پیش کئے ہیں ایک ابودجانہ دوسرے جناب حمزہ تیسرے علی ابنِ ابی طالب مگر آگے بڑھ کے اس مؤرخ کو مجبوراً فاتح احد کے لیے یہ الفاظ لکھنا پڑے کہ عبیداللہ ابن ابی رافع اپنے باپ ابی رافع سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت علی مرتضیٰؑ نے کفار کے علمداروں کو قتل کر ڈالا تو رسولؐ اللہ نے مشرکین قریش کی ایک جماعت کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا چاہیے تو یہ تھا کہ رسولؐ اللہ خود ان دشمنوں کو دفع کرتے لیکن ایسا نہیں کیا علی ابن ابی طالب سے فرمایا "یا علیؑ! ان پر حملہ کرو" یہ سنتے ہی اسد اللہ نے ان پر حملہ کر دیا اور اس گروہ کو منتشر کر کے اس

جماعت کے سردار عمر بن عبداللہ کو قتل کر ڈالا پھر حضرت نے قریش
کی ایک دوسری جماعت کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تب بھی اپنے
قوت بازو ہی سے فرمایا یا علیؑ ان پر حملہ کرو یہ سنتے ہی حضرت نے ان پر
حملہ کر دیا۔ کفار شیر غضب ناک کو دیکھ کر بکریوں کی طرح منتشر ہو گئے۔
بڑا نازک وقت ہے ابن جبیر جو گھاٹی پر متعین تھے وہ قتل ہو چکے ہیں۔
لشکر کفار نے پس پشت سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا جس کو جہاں موقع
ملا چلا گیا خدا کا رسولؐ دونوں سمت سے کفار کے نرغہ میں ہے میری فہم
سے باہر ہے یہ مصلحت کہ بروز احد کیوں نہ قدرت نے اپنے فرشتوں کو
لڑا دیا۔ جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا۔ آج قدرت نے فرشتوں کی تلواروں کو
نیام ہی میں رہنے دیا مصلحت تھی اور ارباب عقل کے لیے سبق تھا کہ
چونکہ نبوت ختم ہے اور مسئلہ نیابت درپیش ہے کہیں اپنا استحقاق نہ
پیش کر دیں جس طرح نیابت آدم کے وقت۔ کہ رسولؐ اللہ کو
بچائیں تو ہم اور نائب ہوں علیؑ یہ عدل کے خلاف ہے لہٰذا قدرت
نے ملاءِ اعلیٰ کی مخلوق کو یدِ علیؑ کی جنگ دکھلائی میں نہیں کہتا صاحب
ینابیع المودۃ نے صفحہ ۱۰۴ پر ایک حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام
سے نقل کی ہے۔ عن جعفر الصادقؑ عن آبائہ علیہم السلام عن
النبی قال یا علی لو وضع اعمال امتی فی کفۃ و وضع عملک
فی کفۃ اخریٰ لرجح عملک وان اللہ یباھی بک یوم احد
ملائکۃ المقربین ورفعت الحجب من السمٰوٰت السبع واشرقت

الیک الجنۃ وابتھج بفضلک رب العالمین صادق آل محمدؑ اپنے
آباء طاہرینؑ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ
علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ یا علی میری تمام امت کے اعمال کو ایک پلہ
میں رکھا جائے اور صرف روز احد والا تمہارا عمل دوسرے پلہ
میں تو تمہارا عمل بھاری رہے گا۔ اور ضرور روز احد خدا نے تمہارے
معاملہ میں اپنے ملائکہ مقربین پر فخر و مباہات کی ساتوں آسمانوں کے حجاب
ہٹا دیے گئے تھے۔ اور جنت وما فی الجنت نے تمہیں جھک جھک
کر دیکھا اور تمہاری فضیلت پر خود رب العالمین خوش ہوا۔ ساتوں
آسمانوں والوں کو نفس اللہ کی جنگ دکھلائی جا رہی ہے امین وحی پلہ
میں شیر الٰہی کے انداز جنگ کو دیکھ کر تعجب سے کہتے ہیں یا رسول
اللہ ھٰذِہٖ المواساۃ یا رسولؐ اللہ مواسات اس کو کہتے ہیں مسئلہ
نیابت طے ہوتا ہے فلکی ملک کو تعارف کرانا مقصود ہے۔ معتا
جنگ ہے فرما دیتے انہ کرار یا انہ بنیان مرصوص یہ کرار ہے
بنیان مرصوص ہے مگر نہیں عالم بالا کی مخلوق ہے سدرۃ المنتہٰی کے
سایہ میں رہنے والا ملک ہے فرماتے ہیں اِنَّہٗ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ یہ مجھ
سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ صحبت رسولؐ
میں بیٹھنے والا ملک نہ سمجھا کہ علیؑ کیا ہیں۔ تو ملک دنیا کیا جانے کہ
علیؑ کی کون سی جگہ ہے امین وحی کو خیال ہوا ہوگا کہ یہ کیسا صہر رسول
ہے کہ رسول کی یوں حمایت کر رہا ہے اسے اپنی جان کی پرواہ نہیں اگر

ذکر ہے تو اس کی کہ جانِ رسولؐ بچ جاتے ملک کو دوئی کا خیال ہوا
حضرت نے فوراً سمجھا دیا کہ دوئی ضرور ہے پر ثالث کا طور نہیں ۔ جبرئیل
م اس داماد کو غیر نہ سمجھنا اِنَّہٗ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْہُ یہ مجھ سے ہے اور
یں اس سے ہوں یں نہیں جانتا کہ امین وحی اس انا منہ کو کیا سمجھا
ور رسول اللہ کی خدمت میں عرض کرتا ہے وَ اَنَا مِنْکُمَا میں تم دونوں
سے ہوں اس منکما سے خیال ہوتا تھا کہ شاید جبرئیل کو بھی حق نیابت رسولؐ
حاصل ہے لہذا فوراً ہاتف غیبی نے تردید کر دی لا فتیٰ الا علی لا سیف
لا ذوالفقار لائے نفی جنس ہے کہ کوئی جوانمرد نہیں سوائے علیؑ کے اور
کوئی تلوار نہیں سوائے ذوالفقار کے ۔ جبرئیل اس مقام رسولؐ پر کوئی
فتحؐ آ سکتا ہے اور تم تو بروز ہجرت شجاعت میں فیل ہو چکے ہو ہم نے
تم دونوں میں مواخات قرار دی تھی مگر ہر ایک جان بچا گیا شجاعت میں
فرق آ گیا تو جب کہ ملک جیسی معصوم ہستی کو رسول جیسے شجاع کی جگہ
پر بیٹھنے کی اہلیت نہیں تو مادیین میں کہاں اہلیت ہے کہ ایسے رسول
کی قائم مقامی کر سکیں عوام الناس کیا جانیں کہ مسند رسول کس سے
سجے گی جبکہ ملک نہ سمجھا ۔

ہاتف غیبی نے لافتیٰ کہہ کر نوعِ انسانی کو متنبہ کیا کہ اس رسول کی
قائم مقامی کے لیے ایسے شخص کی ضرورت ہے جس کی اطاعت
خلیل اللہ سے بڑھی ہوئی ہو ۔ حالانکہ اطاعت ابراہیمی کی مثال صفوف
انبیاء میں مفقود ہے ۔ کوئی فراق جنت پر رو دیتا ہے کسی کے لیے

فرزند کی جدائی شاق ہے۔ لب پر رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ آجاتا ہے
کسی کو آگ میں جلنے کا حکم ہوتا ہے وہ اس میں خوش و خرم نظر آتا ہے
مخلوقات الہٰی سے مدد کی تمنا نہیں کرتا دنیاوی راحت کے مقابلے
میں بستر آتش اچھا معلوم ہوتا ہے پیری میں بیٹا ملتا ہے اور وہ
بھی ایک اس کی قربانی طلب ہوتی ہے۔ رضائے الہٰی پر راضی لبنا
لاولدی میں رضائے الہٰی اچھی معلوم ہوتی ہے خلیل و ذبیح کی اطاعت الہٰی
میں وہ شان ہے کہ ساکنانِ عرش متحیر ہیں دونوں رضائے الہٰی کے
جذبات میں اطاعت الہٰی کی منزلیں طے کرتے ہوئے چلے خوشنودی
پروردگار کا شوق ہر ہر قدم پر ہمت افزائی کر رہا ہے۔ دل علائق دنیا
سے پاک خدا سے لَو لگائے ہوئے استقلال امامت فطرت پر غالب آرہا
ہے۔ الفت پدری مغلوب نظر آتی ہے خلیل اللہ کو رضائے معبود میں
بسمل کی تڑپ دیکھنے کا شوق ذبیح کو چھری کے نیچے صبر و سکون
کی موت حاصل کرنے کا ذوق۔ منزل عشق کا راستہ ایک ہے مگر دو
جذبے اپنے اپنے مقام پر مقابلہ کر رہے ہیں۔ نہ ہمت صبر تھک کر
دم لیتی ہے نہ ذبح ہونے کی آرزو رکنے دیتی ہے۔ قربان گاہ کی مختصر راہ
افراط شوق میں تبدیل ہوگئی ہوگی جادۂ عشق قدموں سے لپٹا جا رہا ہے
ذرے نقش پا کے بوسے لیتے ہیں پہاڑ بلند ہو کر صبر و استقلال کا
تماشا دیکھتے ہیں اشجار جھک کر تعظیم بجا لاتے ہیں منزل مقصود
پر پہنچتے آسمانی دریچے کھول دیئے گئے حجاب قدس کے پردے ہٹا

ئے گئے فرشتوں نے بارگاہ صمدیت میں عرض کی اے معبود! تیرا خلیل

رے حضور میں قربانی لے کر آیا ہے ہمیں کیا حکم ہے؟ ادھر جناب

سمٰعیلؑ عرض کرتے ہیں بابا! میرے پیر رسی سے جکڑ کر باندھ دیجئے

ور اپنے چہرہ پر نقاب ڈال لیجئے بعض کہتے ہیں پٹی باندھ لیجئے —

ملیلؑ نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی بیٹے کے ہاتھ اور پیر رسی سے کس

کر باندھ دیے تاکہ بیٹا چھری کے نیچے تڑپے نہیں اور میری نظر فرزند کے

چہرہ پر نہ پڑے غرضکہ رفع اضطرار کا ہر طرح سے اطمینان کر لیا قربانی کو

رو بہ قبلہ کیا چھری گلے پر رکھی قوت اختیاری نے ہاتھ میں حرکت پیدا کی مگر

حکم قضا نے چھری کا رُخ پلٹ دیا۔ پھر جناب ابراہیمؑ نے چھری کو سیدھا

کیا دفعتہً جبریل امین دنبہ لے کر پہنچ گئے اور اس طرح زیر کارد دنبہ کو

لٹا کر خلیلؑ کو خبر بھی نہ ہوئی اور اس مرتبہ پوری قوت سے کام لیا زبان

سے کہا بِسْمِ اللّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جبرئیلؑ نے کہا اَللّٰهُ اَكْبَرُ

اب جو ہاتھ کو حرکت دی چھری اپنا کام کر گئی خون کی دھار اچھل کر ہاتھ

پر پڑی خیال ہوا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ زبان مبارک سے

نکلا الحمد للہ۔ ادھر سے آواز آئی قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا بس بس

ہمارے خلیل! تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھلایا! اِنَّا كَذٰلِكَ

نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۔ بے شک نیک بندوں کو ہم اسی طرح آزما کر

بدلہ دیتے ہیں اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ یقیناً یہ کھلی ہوئی

آزمائش تھی وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ۔

جبرئیلؑ نے بشارت دی اے ابراہیمؑ خدا نے اس دنبہ کو اسمٰعیلؑ بدل قرار دیا ہے اور اصلی قربانی کو دوسرے موقع کے لیے ا رکھا۔ مطلب یہ تھا کہ یہاں صرف صبر کا امتحان منظور تھا جو اصل قربانی ہے اس کا یہ ایک نمونہ تھا۔ کربلا کی قربانی پر فدا ہونے والوں کے سامنے خلیل کربلا اور ذبیح نینوا کا مرقع پھر گیا ہوگا۔ وہاں خلیل کا امتحان امامت تھا اور یہاں صبر امامت دکھلانا تھا۔ وہ نمونۂ شان تھی اور یہ کامل آزمائش تھی وترکنا علیہ فی الآخرین آخر ا قربانی کا اس قربانی سے کیا مقابلہ جس قربانی کو خدا نے ذبح عظیم کہا ہے۔

قدم قدم پہ امتحان صبر۔

مجلس ۹

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی فِی کِتَابِہٖ الْمَجِیْدِ وَ فُرْقَانِہٖ الْحَمِیْدِ۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (البقرہ آیت ۱۲۷) ترجمہ:- اور وہ وقت بھی یاد دلاؤ کہ جب ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ خانہ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے اور دعا مانگتے جاتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری یہ خدمت قبول کر بے شک تو ہی دعا سننے والا اور نیت کا جاننے والا ہے جناب خلیل امت مسلمہ کے لیے دعا کر رہے ہیں۔ اس دعا میں صرف جناب اسمٰعیلؑ شامل ہیں دوسرے مقام پر طلب اولاد کے لیے یوں بارگاہ الٰہی میں عرض کر رہے ہیں رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً بارالٰہا! دل پژمردہ کی کلی کو کھول دے اور اپنی بارگاہ سے پاک و پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ اولاد طیب کی دعا کر رہے ہیں نہ کہ غیر طیب کی، خلیل کی دعا ہے نہ کسی اور کی اور پھر ایسے کریم و جواد کی بارگاہ میں جو اپنے دشمنوں اور باغیوں کی دعا کو بھی مسترد نہیں کرتا۔ فرعون جیسا باغی جو اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کی آواز دے رہا ہے اس کی ہٹ کو پورا کرتا ہے۔ فرعون اپنے وزیر ہامان سے کہتا ہے فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓی اِلٰهِ مُوْسٰی۔ اے ہامان! تو میرے واسطے مٹی کی اینٹوں کا ایک پجاوہ سلگا پھر میرے لیے ایک پختہ محل تیار کرا تاکہ میں اس پہ چڑھ کر موسیٰؑ کے خدا کو دیکھوں شاہی

فرمان پھر تیاری میں دیر کیوں ہونے لگی محل بننا شروع ہو گیا۔ اس محل میں علاوہ مزدوروں کے پچاس ہزار معمار کام کر رہے تھے اور اتنا بلند بنایا گیا تھا کہ اس سے پہلے کوئی عمارت اتنی اونچی تیار نہ ہوئی تھی فرعون اس کی چھت پر گیا پہلے یہ سمجھے ہوئے تھا کہ آسمان اس کے قریب ہو گا مگر جب گردن اٹھا کر دیکھا تو اتنا ہی دور معلوم ہوا جتنا پہلے تھا نادم ہوا اور ایک تیر آسمان کی طرف پھینکا جس وقت وہ تیر خون آلود گرا تو کہنے لگا کہ میں نے موسیٰ کے خدا کو مار لیا۔ جبرئیل امین نے اپنا پر اس محل پر مارا کہ وہ تین ٹکڑے ہو کر گر پڑا اس کے گرنے سے بہت سے لوگ ضائع و برباد ہو گئے ایسے باغی کو چار سو سال تک مہلت دیتا رہا کہ تو اپنی خدائی کے کس بل پر جتنی چاہے سرکشی کر لے ہم بھی تو دیکھیں کہ تیری خدائی میں کتنی طاقت ہے ذرا ٹھہر جا پانی کی آغوش میں تیری گور بنا دیں گے تیری اجماعی خدائی سے دو گز کفن نہ ملے گا موسیٰ فرعون کی سرکشی دیکھ کر بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں اَتَرْزُقُ فِرْعَوْنَ وَهُوَ يَدَّعِي الرُّبُوْبِيَّةَ بار الٰہا تو فرعون کو بھی روزی پہنچا رہا ہے حالانکہ وہ خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے۔ ارشاد ہوا۔ اے موسیٰ! اگرچہ فرعون نے میری عبودیت ترک کر دی ہے مگر میں اپنی ربوبیت کیوں چھوڑوں۔ اس کے علاوہ شیطان جیسا مخالف و نافرمان ایسے کریم کی بارگاہ میں مہلت کا سوال کرتا ہے۔ حالانکہ اطاعت سے انکار کر چکا ہے بغاوت ظاہر ہو چکی ہے۔ اب پہلی خدمات کا صلہ مانگ رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر زندہ رہا تو سرکشی کا

رار گرم کرے گا لیکن وہ جواد و کریم ایسے باغی کے سوال کو مسترد
نہیں کرتا بلکہ اس کی حاجت روائی ہوتی ہے سوال پورا کیا جاتا ہے
لَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ارشاد ہوا اچھا منظور تجھ کو مہلت دی گئی
بانِ حق کے لیے یہ واقعہ سبق آموز ہے قدرت اشارہ کر رہی ہے
کہ ہم اپنے نائب کے مخالفوں کو فوراً ہی سزا نہ دیں گے مہلت دیں گے
ممکن ہے کہ توبہ کر کے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ اربابِ عقل حق و باطل میں
تمیز کر سکتے ہیں کہ ہادی منصوص و برحق وہ ہے کہ جس کے مخالفوں کو
منہ ثلاثہ میں مہلت دی جائے اور جب توبہ کا زمانہ ختم ہو جائے تو
عمل میں تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے۔
جناب باری عزاسمہٗ نے فرعون و شیطان جیسے سرکشوں کے سوال کو
رد نہیں کیا پھر خلیلؑ کی دعا مستجاب کیوں نہ ہو۔ حسب مدعا پسر ملا۔ طیب
پسر کی خواہش ہے اسی سال بطن ہاجرہؑ سے جناب اسمٰعیلؑ پیدا ہوتے
ہیں۔ ظاہر ہے کہ پاک چیز کے لیے پاک ہی ظرف کی ضرورت ہے
گر ظرف طاہر نہ ہو گا تو شے نجس ہو جائے گی طیب نہیں رہ سکتی۔ اگر
شے ظرف میں آنے کے بعد بھی طیب رہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ ظرف
پاک ہے۔ اس کو مالک نے چیز ڈالنے سے پہلے پاک کر لیا ہے معمولی
ظرف ہوتا تو پانی سے صاف ہو جاتا لیکن بطن مادر وہ ظرف ہے کہ
دستِ قدرت کے سوا اور کوئی اس تک رسائی نہیں رکھتا۔ ایسا ظرف
اگر طاہر ہو سکتا ہے تو آبِ ایمان ہی سے یا آفتاب عرفان الٰہی کے

نور کی جھلک ہی اس کو پاک کرسکتی ہے۔ اس بی بی کے عرفان کا کیا تذکرہ اور اس کی طہارت کا کیا ذکر کہ جس کی ذریت طیبہ پر جناب باری عزاسمہ نے طہارت کی مہر کر دی ہو۔ ظرف بھی طیب مظروف بھی طیب پھر خلیل جیسا قدرشناس ان دونوں کی قدر نہ کرتا تو کیا کفران نعمت کرتا معاذاللہ!

عام مشاہدہ ہے کہ جس قدر دوست کی محبت دل میں ہوتی ہے۔ اسی قدر عطیہ کی عظمت و وقعت زیادہ ہوتی ہے۔ ساتھ ہی اس کے اس ظرف کی قدر و منزلت بھی بڑھ جاتی ہے جس میں وہ عطیہ دوست محفوظ ہوتا ہے اس سے دوست کی محبت کا اندازہ کیا جاتا ہے جناب خلیل کو خداوند جلیل عطیۂ طیب کرامت فرماتا ہے وہ کیونکر اس کی قدر نہ کرتے اس کی قدر کی بلکہ اس کے ظرف کی بھی قدر کی اس کی تعظیم وتکریم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جو کہ جناب سارہؑ کو ناگوار گذرا۔ ظاہری نظر میں بیوی و بیٹے کی تعظیم خلاف قاعدہ تھی بکروہ معلوم ہوئی اپنی لونڈی تطورہ اپنے شوہر کے حوالہ کرتی ہیں اور ہاجرہ و اسمٰعیل کو گھر سے نکالنے کے لیے مُصِر ہوتی ہیں۔ سارہ غریب کو کیا معلوم کہ خلیلؑ کس لیے بیوی اور بیٹے کی تعظیم کرتے ہیں اُسے کیا خبر کہ اسمٰعیلؑ کے صلب میں کون سا رازِ قدرت پنہاں ہے اسے کیا پتہ ہے کہ اس کی ذریت طیبہ پر رسالت و نبوت کا بھی خاتمہ ہے اور نیابت و وصایت کا بھی — سارہ بیچاری کیا جانتی تھی کہ اسی کی اولاد طیب میں خاتم الانبیاء بھی

گا اور خاتم الاوصیاء بھی۔ طیب اولاد ہو تو عزیز تر ہوتی ہے باپ
پیری کا سہارا ہوتی ہے بچپن ہی سے کل امور میں تعلیم و تربیت دلا
تی ہے یہاں بھی یہی ہوتا ہے۔ جناب اسمٰعیلؑ صغر سنی ہی میں شریک پدر
کر معاہدۂ الٰہی کے وقت ایک فریق قرار پاتے ہیں۔ شرائط عہد نامہ
کے اسی طرح پابند ہوتے ہیں جیسا کہ پدر۔ لیکن خلیل اللہؑ معمولی شخص نہ تھے۔
س کے رسول و برگزیدہ بندے تھے۔ چونکہ تکمیل شرائط میں جناب اسمٰعیلؑ
ے برابر حصہ لیا لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کو اسی زمانہ طفولیت میں
موت مل چکی تھی اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کبھی باپ کے جواب میں یہ نہ کہتے
یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ بابا جان جو حکم آپ کو ہوا ہے بلا تامل آپ اس کو
بجا لائیے سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ۔ انشاء اللہ آپ
مجھ کو صابرین میں سے پائیے گا۔ وہ حقیقت نبوت سے واقف تھے۔
خواب رحمانی اور خواب شیطانی کو جانتے تھے سر تسلیم خم کر دیا لیکن
دو نبیوں کا ایک جگہ رہنا فضول ہے جب تک ایک ان میں سے
ایک کا ماتحت قرار نہ پائے لہٰذا جناب اسمٰعیلؑ کا بغرض تکمیل خدمات
منصبی باپ سے علیٰحدہ ہونا ضروری تھا۔ باپ سے اس عمر میں
علیٰحدگی آسان ہے لیکن ماں سے جدائی سخت مصیبت ہے لہٰذا جناب
ہاجرہ اپنے لخت جگر کے محافظ بن کر ان کے ہمراہ ہوتی ہیں اولاد کی
جدائی سخت امتحان ہے بیوی کے کہنے سے بیٹا اور وہ بھی سعید بیٹا
اکلوتا بیٹا جدا نہیں کر سکتے لیکن حکم خدا دوست کا فرمان مالک کا اشارہ

اس کڑی منزل کو آسان کر دیتا ہے ۔ دینے والا حفاظت کا وعدہ کرتا ہے
زمین مقدس میں بیت محترم کی مجاوری اور آنے والوں کی تعلیم و تربیت۔
کی خدمت مقرر کرتا ہے ہدایت خلق کے لیے بیٹے کی جدائی منظور کی
اور اسمٰعیلؑ و ہاجرہؑ کو علی الصبح بیابان فاران میں چھوڑ دینے کے لیے تیار
ہو گئے ۔ سواری چلی تین شخص بستی سے نکلے ایک بچہ دوسری عورت تیسرا
ضعیف ، ان میں دو نبی ہیں ایک باپ ہے دوسرا بیٹا ہے ۔ یہ مسافر
ایک مقام پر پہنچے سواری سے اترے پہنچانے والا واپسی کا عزم کرتا ہے
غریب عورت اپنے شوہر کے چہرہ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی
ہے پھر اپنے نازپروردہ کمسن بچہ پر نظر ڈالتی ہے ساتھ اس کے اپنے
چاروں طرف نظر دوڑاتی ہے نہ کہیں بستی نظر آتی ہے نہ سایہ کے لیئے
کوئی شجر نظر آتا ہے جہاں تک نگاہ جاتی ہے ریگستان ہی ریگستان دکھلائی
دیتا ہے موت کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے آخر جناب ہاجرہ
جناب خلیل اللہؑ سے دریافت کرتی ہیں اے میرے سر کے تاج کون سا قصور
ایسا ہوا جس کی پاداش میں ہمیں اس ہو کے مقام میں چھوڑے جاتے ہو
کچھ جواب نہ پا کر یاس سے پھر کہتی ہیں اے ابراہیمؑ مجھ پر رحم نہیں آتا تو
اپنے اس خورد سال بچہ پر ترحم فرمائیے یہ جنگل کچھ دیر میں آتش فشاں بن
جائے گا یہاں نہ بستی ہے نہ شجر نہ کہیں پانی کا نشان یہ معصوم کس طرح
زندہ رہے گا ۔ بیوی کے کلمات اور بچے پر آنے والی مصیبت کا خیال ضعیف
باپ کے دل سے پوچھنا چاہیے جس نے عمر بھر تمنا کر کے ایک بچہ پایا ہو

راس کر اس صحرائے لق و دق میں بے یار و مددگار چھوڑ جاتے۔
خلیلؑ آخر تو انسان ہیں دل بھر آیا۔ لیکن حکم دوست سے مجبور۔ لب پر مہرِ سکوت حسرت بھری نگاہوں سے بیوی اور بیٹے کی طرف دیکھتے ہیں اور سواری کی طرف مڑتے ہیں لیکن بیوی بے قرار ہو کر دوڑتی ہے اور دامن شوہر پکڑ کر تیسری مرتبہ پھر دریافت کرتی ہے یا نبی اللہ! آپ ہمیں اس صحرا میں کس کے سپرد کیئے جاتے ہیں۔ یہ سنتا تھا کہ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں ادھر پیر حسرت و یاس سے باپ کا چہرہ اور ماں کی بے قراری دیکھ رہا ہے چہرہ پر اداسی چھا گئی زبان خلیلؑ میں یارا نہیں جو بیوی کے سوال کا جواب دیں لیکن انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا کہ میں اس کی حمایت میں دیتا ہوں۔ وہ تابع فرمان مومنہ بہ اخلاص اس اشارہ کو دیکھتی ہے اور دامن قبا ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہے اور خدائی سہارے پر بیٹھ جاتی ہے۔ اس بی بی کے عرفان کا کیا بیان ہو جو نبی کے اشارہ سے معرفت الہٰی کی منزلوں کو طے کر جائے ایسے صحرائے بے آب و گیاہ میں جہاں سراب کی موجیں امواج آب کی طرح کروٹیں بدل رہی ہوں حد نظر تک کوئی نظر نہ آئے نہ کوئی مونس و ہمدم ہے نہ کوئی خبر لینے والا نہ کوئی رزق پہنچانے والا نہ وہاں اسباب رزق مہیا ایسے پرخطر مقام میں اشارہ آسمان کی طرف ہوتے ہی دامن کا چھوڑ دینا معمولی انسان کا کام نہیں ایسے ہولناک صحرا میں گامزن ہونا اسی کا کام ہے جس کے دل میں محبت الہٰی ہو اسی کو توکل کہتے ہیں۔

إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ توکل کرنے والے اللہ کے محبوب ہیں۔

راہِ محبت کی منزلیں بڑی کٹھن ہوتی ہیں اس منزل میں ذلت و رسوائی ایک ادنیٰ کرشمہ ہے اس راہ میں بھوک و پیاس مرجاتی ہے، نہر فرات کی موجیں سامنے کروٹیں بدل رہی تھیں زینب کے بچوں نے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا جانتے تھے کہ ہمارا محبوب پیاسا ہے، یہی وہ منزل ہے جہاں نیند اڑ جاتی ہے، گھوڑوں کی زینوں پر آنکھ جھپکائی پڑتی ہے جانِ شیریں تلخ ہو جاتی ہے ہاں شرط یہ ہے کہ محبت دل میں اُتری ہوئی ہو زبانی دعویٰ نہ ہو تو عالم محویت کا نظارہ قابلِ دید ہوتا ہے کہیں دامن کوہ میں کسی کی جان پر آ بنتی ہے کچھ خبر نہیں کہیں کوئی کسی کی چاہ میں سینکڑوں کنوئیں جھانک ڈالتا ہے مطلق پتہ نہیں چلتا کہ کیا ہو رہا ہے کہیں صحرا نوردی میں پاؤں میں آبلے پڑ رہے ہیں جسم کو تکلیف محسوس نہیں ہوتی کہیں بزمِ محبوب میں چھری انگلیوں پر اپنا کام کر جاتی ہے تکلیف کا احساس نہیں ہوتا اپنی چھوٹی سی مخلوق کے دل میں محبت پیدا کر کے شمع کا والہ و شیدا بنایا تاکہ عقل والے سبق حاصل کریں کہ محبت کے فرائض ادا کرنے کے لیے کون سے دل کی ضرورت ہے کون کون سے مصائب برداشت کرنا پڑتے ہیں کن کن دشوار گذار راہوں کو طے کرنا پڑتا ہے زندگی سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں پروانہ کی مثال پیش نظر ہے محبوب کی طلب میں اپنے مسکن کو چھوڑا ہوا کی سخت منزلوں کو طے کیا دیواروں سے سر ٹکرایا۔ اگر دیوار پہ آرام نے تردشن تاک میں

لگا ہوا ہے مگر کچھ پروا نہیں۔ بعضے تو مطلوب تک پہنچنے سے پہلے
ہی لقمۂ اجل ہو گئے کوئی راستہ ہی میں ختم ہو گیا کچھ محبوب تک پہنچے ہی
تھے کہ پروں میں آگ لگ گئی لگن ہی میں تڑپنا شروع کیا درِ محبوب کو
نہ چھوڑا شمع کا دلدادہ پروانہ وہ نہیں جو اس تک آئے اور جان بچا
کر لے جائے سیکڑوں بسمل ہیں کہ لگن میں تڑپ رہے ہیں اعضاء و جوارح
ساتھ چھوڑ چکے ہیں خدا جانے دل کی ڈور کس سے لگی ہوئی ہے جو آستانۂ
محبوب چھوٹنے نہیں پاتا۔ جب اعضاء و جوارح میں حرکت کی طاقت
باقی نہیں رہتی تو دل تڑپ تڑپ کر محبوب کے قدموں میں جان کو نثار
کر دیتا ہے۔ کاش کہ شمع رسالت کے پروانوں میں ایسی ہی محبت ہوتی تو
بھلا ممکن تھا کہ محبوب احد میں خود طالب ہو اور پروانے صاف جان
بچا کے نکل جائیں۔ رات کی بزم عیش ختم ہوتی ہے شمع گل ہوتی ہے
لگن میں بسملوں کا انبار نظر آتا ہے۔ ہٹانے والے نے شمع کو اس
کی جگہ سے اٹھا لیا لیکن اس کے طالب حیات سے ہاتھ دھونے کے
بعد بھی آستانۂ محبوب سے نہ ٹلے عقل والوں نے سمجھ لیا کہ یہاں شمع
رکھی ہوئی تھی یہی فانی پروانے اپنے مطلوب کے شاہد بن گئے اور اگر
یہ یہاں نہ ہوتے اور حالت اضطراب میں تڑپ تڑپ کر مکان غیر میں
جان دیتے تو بزم میں آنے والوں کو پتہ بھی نہ چلتا کہ شمع کہاں رکھی ہوئی
تھی ان کا فانی وجود مطلوب باقی کی طرف راہنمائی کر رہا ہے لہٰذا شاہد
رسالت وہ ہو سکتا ہے جو شب ہجرت شمع رسالت کے ہٹنے کے بعد

بسترِ رسالت پر نظر آئے۔ یہ وہ پروانہ نہ تھا جو موت کی خیال تصویر کا تصور کر کے رو دیتا یہ تو وہ تھا کہ جہاں بھی یہ روشن ہوئی وہیں اس کی لَو میں لگا رہا قدرت نے عرش پر روشن کیا تو ساتھ جبین آدمؑ میں رکھا تو ہمراہ کشتیٔ نوحؑ میں رکھا تو ساتھ خلیل کے آتش کدہ میں بھی اصلاب طاہرہ میں بھی ارحام مطہرہ میں بھی ساتھ۔ ان مقامات کا نقشہ دنیا والوں کے سامنے پیش کر دیا بزم میں بھی حاضر رزم میں بھی موجود لوگوں نے بزم کو چھوڑا رزم کو بھی۔ قدرت بزم رسول میں پروانوں کو دیکھنا چاہتی ہے "یاایھا الذین اٰمَنُوٓا اِذَا نَاجَیۡتُمُ الرَّسُوۡلَ فَقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیۡ نَجۡوٰىکُمۡ صَدَقَۃً۔"

ایمان والوں سے خطاب ہے غیروں سے نہیں۔ اے ایمان دارو جب تم پیغمبر سے کوئی بات کان میں کہنی چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات دیا کرو۔ صاحب تفسیر کشاف جلد ۳ ص ۱۷۱ مطبوعہ مصر اس آیت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ اصحاب رسولؐ اس کے بہت حریص تھے کہ جناب رسالت مآب سے تخلیہ میں باتیں کریں اور دیکھا دیکھی ہر شخص اس کا خواہشمند تھا۔ اس سے ایک تو حضرت کو تکلیف ہوتی دوسرے بیچارے غریبوں کو اس کا موقع نہ ملنے سے ان کی دل شکنی الگ ہوتی۔ اس پر خداوند عالم کا حکم صادر ہوا کہ جو تخلیہ کرنا چاہے وہ پہلے کچھ صدقہ دیا کرے۔ اس حکم میں ان دونوں زحمتوں کے دفیعہ کے علاوہ ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ اس صدقہ سے غریبوں کا کچھ بھلا ہو جائے اس حکم کا ہونا تھا کہ سب تخلیہ کرنے والے الگ ہو گئے اور دس روز تک حضرت کے پاس بھی نہ پھٹکے مگر علی ابن ابی

طالبؑ باوجود فقر و فاقہ کے روز صدقہ دیتے اور حضرتؐ کے پاس بیٹھ کر تخلیہ میں راز و نیاز کی باتیں کرتے کیا خوب کہا ہے ؎

دوئی ضرور تھی پر ثالث کا طور نہ تھا　　سوائے عاشق و معشوق کوئی اور نہ تھا

یہ فضیلت بھی مخصوص ہو گئی۔ حضرتؓ ہی کے ساتھ اور اس پر ابن عباس رشک کیا کرتے تھے اور جناب امیرالمومنین فخر کرتے ہیں کہ قرآن میں ایک آیت ایسی بھی ہے جس پر نہ کسی نے میرے قبل عمل کیا اور نہ میرے بعد کرے گا۔ اگر دل میں ایمان ہوتا یا محبت رسول ہوتی تو ہوائے زر کے تھپیڑوں میں الجھ کے نہ رہ جاتے دس روز تک بزم رسول صاف نظر آ رہی تھی جب بزم میں کوئی دکھلائی نہیں دیتا تو رزم میں تو جان جاتی ہے وہاں کون قدم جمائے۔ آخر حنین میں وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِيْنَ کا تازیانہ پشتوں پر لگتا رہا اور روگ بھاگا کئے۔

قرآن مجید نے محبان الٰہی کی یہ شناخت بتلائی ہے کہ ادھر رائے پوچھی جائے حکم کی ضرورت نہیں محض رائے دریافت کی جاتی ہے ادھر لبیک کی صدا بلند ہو جاتی ہے ورنہ بادشاہ جابر کی فوج کے سپاہی بھی حکم ہوتے ہی جان دینے پر تل جاتے ہیں پھر دونوں میں فرق ہی کیا ہوا۔ جناب خلیلؑ جناب اسمٰعیلؑ سے صرف رائے دریافت کر رہے ہیں۔ قَالَ يَا بُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى۔ بیٹا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں اس میں تمہاری کیا رائے ہے؟ بغیر سوچے بلا تامل عرض کرتے ہیں قَالَ يَا اَبَتِ افْعَلْ

مَا تُؤْمَرُ۔ بابا جان جو حکم آپ کو ملا ہے بلا تامل بجا لائیے ۔ دیکھا آپ حضرات نے کہ خدا کا دوست وہ ہے جو محض رائے پوچھنے پر لبیک کہہ دے۔ اور آمادگی ظاہر کرے اب ذرا رسولؐ کی آخری بز پر نظر ڈالیے زر کی خواہش نہیں بڑے بڑے غنی لوگوں کو دیکھ لیا۔ جا کے طالب نہیں اس کے بہت سے منظر دیکھ لیے صرف کاغذ و دوات قلم طلب کرتے ہیں۔ ہدایت نامہ تحریر کرنا چاہتے ہیں تاکہ امت میرے بعد گمراہ نہ ہو جائے محبّان الہی کی شناخت کے لیے کہاں تک سہولت پیدا کی تاکہ ظاہر ہو جائے کہ جان دینا تو درکنار حکم کی اطاعت نہ کرنے والے خدا کے دوست نہیں ہو سکتے بلکہ اس قابل ہیں کہ محبانِ الہی کی جماعت سے خارج کیے جائیں اور عملاً قُوْمُوْا عَنِّیْ کا وار لگا کر سب کو باہر نکال دیا۔ ایک جگہ سے نہیں نکالا بلکہ دو جگہ سے صحن مسجد سے نکالا ۔ دروازے بند کر دیئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ خدا کے گھر میں اس کے دوست ہی آمد و رفت رکھ سکتے ہیں بار دوم خانۂ نبوت سے نکالا تاکہ ظاہر ہو جائے کہ خانۂ نبوّت اور خانۂ خدا اس کے دوستوں ہی کے لیے ہے غیروں کے لیے نہیں کیونکہ خلیل اللہ کو حکم الہی یہی تھا طَہِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعَاکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْد لہذا جن کا طواف اعتکاف اور رکوع و سجود محض خدا کے لیے تھا کبھی کسی غیر کے سامنے پیشانی جھکی نہیں ان کے لیے بیت اللہ بھی موجود بیت رسالت بھی حاضر ایک کو زچہ بچہ بنا دیا دوسرے کو استراحت کا مقام ۔

بہر حال جناب خلیل اللہ جناب ہاجرہؓ و اسمٰعیلؑ کو اس چٹیل میدان میں چھوڑ کر واپس ہو رہے ہیں یہ دونوں ماں بیٹا ان کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے ہیں یہاں تک کہ سواری حد نظر سے گزر گئی۔ کچھ دیر تک امدادِ غیبی کے منتظر رہے آخر پھر ہر سمت نظر دوڑائی۔ دھوپ سے بچنے کے لیے جائے پناہ تلاش کی اس صحرا میں جائے پناہ کہاں دور فاصلے پر ایک کھجور کا تنا نظر آیا اسی کو غنیمت سمجھا ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی ہوتا ہے۔ مثل مشہور ہے اسی طرف ماں بیٹا چل کھڑے ہوئے جناب ہاجرہؓ نے پانی کا مشکیزہ دوش پر لیا بچے کا ہاتھ پکڑا اور روانہ ہوئیں ریت کا سفر راہ بے راہ پیادہ پا ایک ناز پروردہ جس کا پہلا سفر ہو اور صغیر السن ہو کیونکر چلے دھوپ چڑھتی چلی آتی ہے ریت گرم ہو رہی ہے منزل مقصود دور۔ آخر میدان میں شرارے چمکنے لگے مسافروں کو پیاس معلوم ہوئی مشکیزہ کا پانی بھی ختم ہو گیا۔ اِدھر دھوپ کی تپش زمین کی حدت اور سب سے بڑھ کر گرم ہوا کے جھونکے ان بے کسوں کی مصیبت بڑھا رہے ہیں بچہ پیاس سے بلبلا اٹھا چلنا دشوار ہو گیا بہزار دِقت کچھ فاصلہ طے کیا طاقت نے جواب دے دیا اور زمین گرم پر گر پڑا۔ عرب کی دھوپ مشہور ہے۔ ماں مصیبت کی ماری کیا کرے کہاں سے پانی لائے آخر بچہ کو گود میں اٹھایا اور رر ہوئی۔ بچہ پیاس کی شدت سے بے تاب ہو رہا ہے دھوپ کا سے ہے ماں کی گود میں سہی لیکن بیرونی اثرات اپنا اثر کیے بغیر نہیں رہ

رواں دواں منزل مقصود پر پہنچے چادر سر سے اتاری اور اس کھجور کے
تنہ پر ڈال کر بچہ کے لیے سایہ کیا کیونکہ نازوں کا پالا اس وقت
بیہوش ہو چکا تھا ماں نے بچہ کو زمین پر لٹا کر خود پانی کی تلاش میں
ہر سو نظر دوڑائی ریگستان میں دوپہر کے وقت سخت دھوکا ہوتا ہے
ریت کے ذرے اس طرح چمکتے ہیں گویا پانی کی موجیں لہرا رہی ہیں۔
یہی نظارہ جناب ہاجرہ کے پیش نظر ہے مشکیزہ سنبھالا سراب کا رُخ کیا
دوڑتے دوڑتے تھک گئیں پانی کا پتہ نہ چلا پہاڑی کے دامن میں
پہنچیں تو وہاں ریت کے سوا کیا رکھا تھا اوپر چڑھ گئیں بچے کی طرف
نظر دوڑائی اس کو تنہا اور بے قرار دیکھ کر ماں کی ممتا پھر واپس آئیں۔
بچہ کے پاس پہنچیں پیاس سے حالت غیر دیکھی پھر نظر اٹھائی دوسری
سمت پانی کا دریا بہتا ہوا نظر آیا پھر دوڑیں یہاں تک کہ اس طرف
کا ٹیلہ دکھلائی دیا پانی کا دریا غائب ہو گیا مایوسانہ واپس آئیں۔ اس
دھوپ کی دوڑ دھوپ نے خستہ کر دیا بچہ کی زندگی سے مایوس
ہوئیں واپس آکر اس کو جان بلب پایا امداد طلب کرنے کے لیے
قریب کے ٹیلہ پر چڑھیں استغاثہ بلند کیا کوئی ہو تو بھلے آخر اپنی
بے کسی پر رونے لگیں اور دل سے اس قادر مطلق کی طرف متوجہ ہوئیں
جو کارساز عالم ہے رحمت الٰہی خوش زن ہوئی وہ میدان بے آب و
گیاہ آباد کرنا مقصود ہے برائے رحمت چلی ماں نے بچہ کو جان کنی کے
عالم میں ایڑیاں رگڑتے چھوڑا تھا ماں کا کلیجہ تھا زار زار رو رہی ہیں

ر قسمت دونوں کے سراہنے کھڑی ہنس رہی ہے اور زبان حال
ے گویا ہے جلدی نہ کرو ابھی یہ بن گلزار ہوا جاتا ہے بچے کے
یاں رگڑنے سے ریت ہٹی پانی کا چشمہ ابل پڑا اس صغیر السنے
اس عالم بیہوشی میں خنکی محسوس ہوئی کرب و بے قراری کم ہوئی۔
ں نے اس کی طرف دیکھا بچہ کو ساکن پایا سمجھی چل بسا، چلاّ کر
وئی ادھر ہاتف غیبی نے صدا دی اور سبب گریہ دریافت کیا
ے چاری نے اپنا قصہ دہرایا۔ پوچھنے والا پوچھتا ہے آخر ابراہیمؑ
نے تمہیں کس کے حوالے کیا تھا؟ بولی خدا نے۔ ہاتف نے کہا۔ اے
جرہؓ! پھر تجھے غم کیا ہے جا اپنے بیٹے کو دیکھ وہ زندہ ہے
نی تو اس کے قدموں میں موجود ہے تو بے فائدہ رنج کر رہی ہے
نظر اٹھائی بیٹے کے پاؤں پانی میں تر نظر آئے اور اس کو کروٹ
لیے ہوئے پایا۔ خدا کا شکر کیا قریب آئیں بیٹے کو اٹھایا ہاتھ منہ
ھلایا پانی پلایا مشکیزہ پانی سے بھر لیا اور چشمہ کے گرد ریت
کھٹی کرکے کنارے اونچے بنا دیئے پانی گیا نکلا کھجور کا تنا بھی سرسبز
ہو گیا خوشے نکل آئے اور رسیدہ ہو گئے دونوں نے خوب سیر
ہو کر کھائے شکر منعم ادا کیا جس نے اس مصیبت سے رہائی دی۔
یہیں سے جناب ہاجرہؓ اور جناب سارہؓ کا فرق بھی معلوم ہو سکتی ہے
جناب سارہؓ فرشتوں سے کلام کر رہی تھیں جبکہ جناب ابراہیمؑ کو اسحاقؑ
یعقوبؑ کی خوشخبری دی گئی تھی اور ہاجرہؓ وہ تہیں کہ ابھی سے عبد و

معبود میں جو کلام کے موانع تھے وہ سب اُٹھ گئے تھے۔ ہاجرہ کو فرش پر معراج ہو رہی ہے۔ اور اس کی ذریت میں جو خاتم المرسلینؐ پیدا ہونے والا تھا اُسے عرش پر بلانا تھا اور کلام کرنا تھا لہٰذا ابھی سے ہاجرہ کی معرفت پر روشنی ڈال دی۔ اللہ اللہ ہاجرہؑ سے قدرت کو اتنی محبت کہ خود دریافت کیا جا رہا ہے۔ اے ہاجرہؑ! ابراہیمؑ نے تمہیں کس کے سپرد کیا تھا؟ اور کیوں نہ استفسار کیا جاتا حبیبؐ کے نور کا ظرف رہ چکی نہیں اور ظرف و مظروف میں مطابقت کا ہونا لازمی ہے۔ مظروف بھی نورانی ظرف بھی نورانی ایک سے فرش پر کلام دوسرے سے عرش پر کلام۔

بہرحال ابراہیمؑ ان کو چھوڑ کر دوپہر کے وقت ایک کنوئیں کے قریب پہنچے دھوپ اور پیاس سے امن کا مقام دیکھا اتر پڑے پانی پیا، آرام کیا۔ استراحت کرتے ہی ان دونوں صحرا نوردوں کا خیال دل میں آگیا جو اسی دھوپ میں اس صحرائے لق ودق میں تھے جہاں نہ پانی تھا نہ سایہ، خیال آتے ہی دل بھر آیا اپنے خالق کی طرف رجوع کر کے عرض پیرا ہوئے رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ۔" بارالٰہا! میں نے اپنی ذریت میں سے بعض کو تیرے خانۂ محترم کے نزدیک بے آب و گیاہ وادی میں مقیم کیا ہے تو ہی میرے دل کے حال سے واقف ہے تو ہی ان کا کفیل ہے۔" جناب ہاجرہؑ اور جناب ابراہیمؑ کے سفر سے

ہر عاقل اندازہ لگا سکتا ہے کہ صبح سے دوپہر تک بغیر پانی
کے عرب کے ریگستان کا سفر ناممکن ہے عرب کی ریت پر
گر کوئی انسان دوپہر تک پیاسا رہے تو بے ہوش ہو جاتا ہے۔
جیسا کہ جناب اسمٰعیلؑ بے ہوش ہو گئے پھر جن بچوں کو بہتر گھنٹے
پانی نہ ملے تو ان کی پیاس کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے عرب کے
ریگستان کی چند گھنٹے کی پیاس انسان کو بدحواس کر دیتی ہے جیسا کہ
حرؑ اور اس کے لشکر کو پیاس نے بدحواس بنا دیا ہے۔ سیدالشہداء
نے حر کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ حر اس وقت کس چیز نے تمہیں مع لشکر
کے مضطرب الحال کر دیا ہے۔ عرض کی مولا تین پہر سے ایک قطرہ
پانی کا نہیں ملا ہے جانوروں تک کی زبانیں تشنگی سے باہر نکل آئی
ہیں۔ اللہ اللہ دشمنوں کی پیاس کا حال سن کر بے چین ہو گئے فرمایا
بھتیا عباسؑ ان کی پیاس پر رحم کرو یہ خدا کے بندے ہیں اور
پیاسے ہیں جناب عباسؑ از راہ دور اندیشی عرض کرتے ہیں۔ مولا
چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ ہے منزل طے کرنی ہے اگر تعب راہ
سے بچوں نے پانی طلب کیا تو ہم معصوموں کا منہ دیکھ کر رہ جائیں گے
مولا کلیجہ پر برچھیاں چلیں گی اور پانی مہیا نہ ہو گا فرزند رسول نے فرمایا!
بھیا تمہیں میرے سر کی قسم اب کچھ نہ کہو جانِ برادر مجھ سے یہ
کیونکر ہو سکتا ہے کہ پانی میرے قبضہ میں ہو اور مسلمان پیاس سے
ہلاک ہو جائیں۔ یہ حکم سنتے ہی مشکوں اور پکھالوں کے دہانے

کھول دئے گئے فرزندِ رسول خود اٹھے اور آپ کے انفس لبریز ساغر اور پرُ آب تاس ایک ایک لشکری کے سامنے پیش کرتے ہیں اور جب تک وہ لشکری یا جانور سیر ہو کر نہیں پی لیتا سامنے سے ظرفِ آب ہٹایا نہیں جاتا علی بن طعان کہتا ہے کہ مَیں بھی لشکرِ حُر میں تھا مگر پیچھے رہ گیا تھا جب لشکرِ حُر سیراب ہو چکا تو مَیں اس وقت پہنچا جب امام نے میری حالت دیکھی کہ پیاس کی وجہ سے بے چین ہے توجہ سے فرمایا اَنِخِ الرَّاوِیہ یعنی وہ اونٹ جس پر پانی کی مشک رکھی ہوئی ہے اس کو بٹھالے چونکہ راویہ میری زبان میں مشکِ آب کو کہتے تھے اور حضرت نے زبانِ حجاز میں شترِ آب کش کو فرمایا اس لیے مَیں نہ سمجھا کہ حضرت کی مراد کیا ہے۔

اس وقت آپ نے نہایت نرمی سے فرمایا یَا بنَ الاخ اَنِخِ الجمل۔ اے بھائی اونٹ کو بٹھالے۔ یہ سن کر مَیں نے اونٹ کو بٹھا لیا پھر فرمایا کہ اس مشک سے پانی پی لے۔ مَیں نے جو دہانا کھولا تو پانی اس طرح گرنے لگا کہ مَیں اچھی طرح پی نہ سکتا تھا۔ حضرت نے فرمایا اس مشک کے منہ کو پھیر دے مَیں پیاس سے ایسا بدحواس تھا کہ کچھ نہ سمجھا اس وقت حضرت خود اٹھ کھڑے ہوئے اور مشک کا دہانا پھیر دیا مَیں پانی پینے لگا اور خوب سیر ہو گیا اور اپنے گھوڑے کو بھی پانی پلایا تب کہیں جان میں جان آئی۔ چند گھنٹے کی پیاس نے بدحواس بنا دیا۔ پھر کیا حال ہو گا اس شخص کا جس کو تین دن تک پانی نہ ملے اور

سامنے کی جانب ایک ہزار نو سو اکیاون زخم ہوں اس کے علاوہ دوپہر میں اکہتر لاشے بھی اٹھائے ہوں آفتاب کی تیزی بغرض امتحان رھا دی گئی ہو زمین جل رہی ہو اسلحہ جنگ لو دینے لگے ہوں ۔ یہ پیاس حضرت کی ایسی تھی جس کا واقعہ جبرئیل امین جناب آدمؑ سے بیان کرتے ہیں۔ یا ادم لو تراہ وھو یقول واعطشاہ ویحول لعطش بینہ وبین السماء کالدخان ۔ اے آدم کاش تم دیکھتے کہ حسین مظلوم کس طرح مارے پیاس کے فریاد کرتے ہیں اور بسبب تشنگی زمین سے لے کر آسمان تک مثل دھوئیں کے معلوم ہوتا ہے ۔ اس تشبیہ میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ جب زمین و آسمان میں دھواں بھر جاتا ہے تو انسان کو کچھ معلوم نہیں ہوتا ہے یہی حالت حضرت کے قلب مبارک سے بخارات اٹھ کر آنکھوں میں پہنچ گئے تھے جس کی وجہ سے آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا تھا دنیا تیرہ و تار معلوم ہوتی تھی، یہی وجہ تو تھی کہ مقتل میں بیٹے کو ڈھونڈتے پھرتے تھے اور آواز دیتے ہیں بیٹا علی اکبر! باپ کی بینائی نے جواب دے دیا ہے آواز دو کہ کدھر ہو باپ جنگل میں ٹھوکریں کھا رہا ہے ۔

مجلس ۱۰

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِىْ كِتَابِهِ الْمَجِيْدِ وَفُرْقَانِهِ الْحَمِيْدِ ، بسم الله الرّحمٰن الرّحیم : وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (سورہ نحل)

ترجمہ : اے رسولؐ! تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں اور درختوں اور لوگ جو اونچی اونچی ٹٹیاں (اور مکانات پاٹ کر) بناتے ہیں ان میں اپنے چھتے بنا پھر ہر طرح کے پھلوں سے ان کا عرق چوس، پھر اپنے پروردگار کی راہوں میں تابعداری کے ساتھ چل مکھیوں کے پیٹ سے ایک چیز نکلتی ہے (شہد) جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اس میں لوگوں کے لیے شفا بھی ہے اس میں شک نہیں کہ اس میں غور و فکر کرنے والوں کے واسطے قدرت کی بہت بڑی نشانی ہے۔

یہ وہ کلام الٰہی ہے جو جبرئیلؑ ایسے امین کی آغوش میں ہوتا ہوا قلب محمدیؐ میں ساکن ہوا پھر جبکہ ایک انسان کو دوسرے کے مافی الضمیر پر اطلاع نہیں پھر رسولؐ کے دل کے حالات کو کون

بیان کر سکتا ہے۔ رسولؐ نے بھی چاروں طرف چمکتی ہوئی تلواروں کے پہرے لگا دیئے ہیں جہاں کسی نے اپنی طرف سے تفسیر کی ادھر جہنم کا کنارہ نظر آ گیا کون جرأت کر سکتا ہے کہ اس قرآن کے متعلق لب کشائی کرے ہاں اس کی تفسیر وہی خوب بیان کر سکتا ہے جو رسولؐ کے بیتِ قلب میں رہتا ہو یعنی نفسِ رسول ہو یا وہ لوگ تفسیر بیان کر سکتے ہیں جنہوں نے ان کی قرابت حاصل کی ہو ان کی زبان مبارک سے اس کی تفسیر سنی ہو۔ اس کی تفسیر بیان کرنے کے لیے ایسا شخص ہونا چاہیے کہ جس کی زمینِ قلب میں ایک دانۂ عمل ڈالا جائے تو جس وقت وہ پودا پردہ ہائے حجاب کو چاک کرتا ہوا نکلے تو ہزار ثمر پیدا ہوں۔ چنانچہ کسی نے جناب امیرؑ سے پوچھا یا حضرت! بھلا رسالت مآبؐ نے آخر وقت آپ سے کیا کہا تھا ارشاد فرمایا حضرت نے ہزار باب علم کے تعلیم کیئے کہ ہر باب سے ہزار باب علم و حکمت کے مجھ پر واضح و منکشف ہو گئے۔ تب ہی تو یہ دعویٰ تھا سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ۔ پوچھ لو قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ۔ عام دعویٰ ہے چاہے زمین کی خبریں پوچھو چاہے آسمان کی دریافت کرو آیا جناب امیرؑ کے سوا کسی اور نے بھی دعویٰ کیا کہ سلونی قبل ان تفقدونی۔ آیا ہے علاوہ جناب امیرؑ کے کوئی اور کہ جس نے زبان رسالت چوس چوس کے علم حاصل کیا ہو۔ تب ہی تو یہ اثر تھا کہ نقطۂ بائے بسم اللہ کی تفسیر بیان فرماتے ہیں اور صبح

ہو جاتی ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ چاندنی رات میں امیرالمومنین میرا ہاتھ پکڑے ہوئے بقیع کی طرف لے گئے اور ارشاد فرمایا۔ اے ابن عباس! اس وقت کچھ پڑھو۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت کے ارشاد سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تلاوت کی۔ آپ مجھ سے تمام رات بائے بسم اللہ کی تفسیر بیان فرماتے رہے یہاں تک کہ صبح طالع ہو گئی۔ شبہائے وصل میں حبیب سے تکلم کرنے کے لیے یوں تو عشاق کی نیند بھی نہ اڑتی ہو گی جیسے حرف بائے بسم اللہ کے کشف اسرار پر اور اس خزانۂ عامرہ کے لٹانے کے لیے علی ابن ابی طالبؑ کی نیند اڑ گئی۔ یہاں تک کہ تفسیر بائے بسم اللہ کو ذریعۂ صبح سے ملحق کر دیا۔ یہ تو ابر رحمت باری تھے برس پڑنے سے کام تھا جس طرح وہ جہاں برستا ہے زمین کے نشیب و فراز کو نہیں دیکھتا۔ اب یہ زمین کی قابلیت ہے کہ جذب کرے نہ کرے کچھ زمینیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ پانی پڑا اور بہہ گیا۔ جناب رسالت مآبؐ کے علم کی بوچھار تو برابر پڑتی رہی جن لوگوں کی قوت جاذبہ بڑھی ہوئی تھی انہوں نے تو بعد رسالت مآبؐ یہ دعویٰ کیا سلونی قبل ان تفقدونی اور جن لوگوں کی قوت جاذبہ تھی ہی نہیں تو وہ یہ کہتے تھے لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ ....

جن لوگوں پر اہلبیت کے دامن کا سایہ پڑ گیا وہ عالم ہو گئے، اور بڑے بڑے لوگ ان کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ چنانچہ

مجالس المومنین میں ہے کہ جس وقت جناب امیرؑ جنگ جمل سے واپس تشریف لائے تو معاویہ نے حضرتؑ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "تم نے نفع چھوڑ دیا اور راہِ ضرر اختیار کی کتابِ خدا و سنتِ رسولؐ کے برخلاف عمل کیا میں نے ان واقعات کو سنا جو تم نے ام المومنین عائشہؓ کے ساتھ سلوک کیا میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں وہ آتش پارے تمہارے پاس بھیجوں گا جن کو نہ پانی بجھا سکے گا نہ ہوا ہلا سکے گی۔ زمین میں گڑھے پڑ جائیں گے اور گڑھوں میں سوراخ ہو جائیں گے اور ان سوراخوں میں آتش کے شعلے بھڑکتے ہوئے نظر آئیں گے فوجوں کی کثرت اور سامانِ جنگ پر مغرور نہ ہونا والسلام امیر المومنینؑ نے اس خط کو پڑھا اور جواب میں تحریر فرمایا کہ یہ خط بندۂ خدا علیؑ امیر المومنین برادر و وصی رسول رب العالمین کی طرف سے ہے جس نے تیرے جد و خال و عم کو بروز بدر قتل کیا ہے اور وہی تلوار جس نے ان کو بے جان کیا ہے اب بھی میرے ہاتھ میں موجود ہے اور میرے بازو اس تلوار کو اسی طرح اٹھائے ہوئے ہیں جس طرح رسولؐ نے مجھے دی تھی۔ خدا کی قسم میرے طور طریقے میں ذرا تغیر نہیں آیا اسی دین اسلام پر قائم ہوں اور رسالت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قائل ہوں۔ اے معاویہ! ذرا اپنی حالت کو درست کر لے دیکھ شیطان نے تجھ کو بہکایا ہے جامۂ جہل تیرے زیب تن ہے وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ۔

یہ خط طرماح لے کر روانہ ہوئے اور یہ وہ شخص تھے جنہوں نے صحبت امیرالمومنین اٹھائی تھی۔ مرد طویل جسیم و قسیم تھے اور بڑے حاضر جواب تھے جوں ہی یہ قریب شہرِ شام پہنچے تو کیا دیکھا کہ عمرِ عاص و مروان و ابوہریرہ بیرون شہر ایک باغ میں سیر کر رہے ہیں جوں ہی طرماح کو آتا ہوا دیکھا کہنے لگے کہ ذرا آؤ اس سے دل لگی رہے گی چونکہ طرماح طویل القامت تھے عمرِ عاص نے پوچھا اے اعرابی تجھے آسمان کی بھی کچھ خبر ہے جواب دیا نِعْمَ الْاَمْرُ یَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَ مَلَکُ الْمَوْتِ فِی الْھَوَا و امیرالمومنین فِی الْقَفَاءِ فَاسْتَعِدُّوا بِمَا یَنْزِلُ عَلَیْکُمْ مِنَ الْبَلَاءِ یَا اَھْلَ الْعَدَاوَۃِ وَ الشَّقَاءِ ہاں حکم خدا آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ اور ملک الموت زمین و آسمان کے درمیان ہے اور امیرالمومنین تمہاری پشت پر پس جو بلا و مصیبت تم پر نازل ہونے والی ہے اے اہلِ عداوت و شقاوت تم اس کے لیے تیار ہو جاؤ۔ پوچھا کہاں سے آنا ہوا کہا اقبلتُ من حبر تقی نقی زکی رضی مرضی پوچھا کہاں جاؤ گے طرماح نے کہا میں اس کے پاس جا رہا ہوں جس کو تم اپنا امیر سمجھتے ہو۔ اب معلوم ہوا کہ علیؑ کا قاصد ہے۔ اسی وقت عمرِ عاص نے معاویہ کو ایک رقعہ لکھا کہ علیؑ کے پاس سے ایک بدوی بہ زبانِ فصیح و بیانِ ملیح وارد ہوا ہے اس کے جواب کے لیے تیار ہو جا۔ اب طرماح کو بھی معلوم ہو گیا کہ یہ اصحاب معاویہ ہیں اپنی سواری سے اتر

آئے اور بیٹھ کر ان سے باتیں کرنے لگے معاویہؓ کو معلوم ہوا تو اس نے یزید کو دربار کی آراستگی کا حکم دیا اور دربار سجایا گیا ادھر یہ بھی مع عمرِ عاص وغیرہ کے درِ دولت پر پہنچ گئے۔ یزید پر نگاہ جا پڑی دیکھا عجیب کرخت آواز سے لوگوں سے کلام کرتا ہے اس کی ناک پر ایک ضربت کا نشان بھی لگا ہوا ہے۔ دریافت کیا یہ کون سے بدبخت ہے جو گلا پھاڑ کر باتیں کرتا ہے۔ لوگوں نے کہا۔ ارے یہ گستاخی پسرِ معاویہ کے ساتھ یہ یزید معاویہؓ کا بیٹا ہے کہا کون یزید خدا اس کی مراد کو پورا نہ کرے۔ یزید نے دیکھا تو کہا امیر المومنینؓ تجھ کو سلام کہتے ہیں۔ دیکھئے یہ ہیں مومن کامل دشمن کے دربار میں کھڑے ہیں لیکن جان کی کچھ پرواہ نہیں۔ کہا امیر المومنین کا سلام مجھ پر کوفہ سے ہی ہے یزید نے کہا۔ اچھا تیری کیا حاجت ہے کہا کہ مجھ کو معاویہ کے پاس تک پہنچا دے تاکہ مکتوب امیر المومنین اس کو پہنچا دوں۔ یزید نے کہا کہ حکم امیر یہ ہے کہ تیری اگر کوئی حاجت ہو تو اس کو پورا کیا جائے طرماح نے کہا کہ میری آرزو یہ ہے کہ جس مقام پر وہ بیٹھا ہے اس سے اُٹھ کھڑا ہو۔ غرضیکہ طرماح دربارِ معاویہ میں مع نعلین پہنے ہوئے داخل ہوئے۔ ملازمین نے ان کی طرف دیکھ کر کہا اخلع نعلیک دربار شاہی کا کچھ لحاظ نہیں جوتیاں پہنے چلا آتا ہے۔ طرماح نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا۔ اَھٰذَا الْوَادِی الْمُقَدَّسِ طُوًی فاخلع نعلی

کیا یہ وادیٔ مقدس ہے۔ جو اپنی جوتیاں اتار دوں۔ پس معاویہ کو دیکھا کہ سریر سلطنت پر بیٹھا ہُوا ہے ارکان دولت اردگرد مجتمع ہیں۔ طرماح کہتے ہیں اَلسلامُ علیکَ اَیُّھَا المَلِکُ العَاصِی۔ اے بادشاہ گنہگار سلام علیک۔ عمرو عاص نے یہ سنتے ہی کہا کہ اے اعرابی کیا وجہ ہوئی کہ تو نے بلفظ امیرالمومنین کہہ کر سلام نہ کیا۔ ہم ہیں مومنین اس کو کس نے ہمارے اوپر امیر مقرر کیا ہے معاویہ نے دریافت کیا اے اعرابی! تو کیا لایا ہے جواب دیا کہ ایک کتاب کریم مرد کریم کے پاس سے لایا ہوں۔ معاویہ نے کہا۔ اچھا لا مجھے دے کہا مجھے کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ تیرے فرش پر قدم رکھوں کہا اچھا میرے وزیر کو دے دے کہا ھیھات فقد ظلم الامیر وخان الوزیر۔ ہیں کیونکر اس کتاب پاک دوں کہ امیر ظالم ہے اور وزیر خائن ہے اس نے کہا کہ میرے بیٹے یزید کو دے دے۔ طرماح بولے ما ترضیٰ بابلیس فکیف باولادہ ہم تو شیطان سے خود ہی ناراض ہیں اس کی اولاد سے کیونکر خوش ہو سکتے ہیں۔ معاویہ نے کہا تو میرے اس غلام کو دے دے۔ کہا یہ ایک مملوک ہے جس کو مال حرام سے خریدا ہے۔ معاویہ نے کہا پھر کوئی طریقہ ہے کہ یہ خط مجھ تک پہنچے جواب دیا ہاں اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مقام سے کھڑا ہو کر مجھ سے لے جا۔ معاویہ غصے میں بھرا ہُوا اٹھا اور خط لے کر پڑھا اور گھٹنے کے تلے رکھ کر بیٹھ گیا اور پوچھنے لگا کہ

تم نے علیؑ کو کس حال میں چھوڑا ہے جواب دیا بفضل تعالیٰ وہ مثل بدر طالع ہیں اور اصحاب حضرت کے ارد گرد مثل نجوم تاباں حاضر ہیں جس کام کو حضرت حکم فرماتے ہیں اس کی طرف دوڑتے ہیں۔ اور جس سے نہی فرماتے ہیں اس سے باز رہتے ہیں اے معاویہ ان کی شجاعت کے سکے جنوں کے دلوں پر بیٹھے ہوئے ہیں اے معاویہ ان کی آنکھ وہ ہے جس میں لشکر بھی نہیں سماتا اے معاویہ ان کی انگلیاں وہ ہیں جنہوں نے بلا تامل باب خیبر کو اکھاڑ کر مسلمانوں کے لیے پل بنا دیا تھا لیکن پیشانی مبارک پر بل بھی نہ آیا معاویہ نے کہا اچھا یہ تو بتلاؤ کہ حسنؑ و حسینؑ کا کیا حال ہے دیکھئے فقط صحبت یافتہ فصاحت اس کو کہتے ہیں کہا خلفتهما بحمد الله شابين تقيين نقيين عفيفين صحيحين اديبين اريبين بيبين خطيبين سيدين سندين طاهرين عالمين عاقلين يصلحان للدنيا ومصلحين فى الدنيا والآخرة۔ یعنی میں نے ان دونوں جوانوں کو ایسی حالت میں چھوڑا ہے کہ وہ دونوں جوان صاحب تقوےٰ اور پاکیزگی ہیں عفیف و صحیح و فصیح و ادیب ہیں صاحب عقل و دانش اور خطبہ گو ہیں دونوں سردار ہیں اور دونوں سند ہیں طیب و طاہر عالم و عامل ہیں دنیا و آخرت دونوں کی اصلاح کرتے ہیں معاویہ نے کہا اے اعرابی تو تو بڑا فصیح گویا ہے۔ جواب دیا۔ لو بلغت باب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب ورایت الفصحاء البلغا

الفقهاء الظرفاء النجباء الادباء الاسخياء الاصفياء لغرقت فی بحر عمیق اگر تو بھی بارگاہ امیرالمومنین میں شرف یاب ہو تو ایسے ایسے فصحاء بلغاء فقہاء ظرفاء نجباء ادباء اسخیاء تیرے دیکھنے میں آئیں کہ دریائے حیرت میں غرق ہو جائے اور اس کے بھنور سے سر نہ ابھار سکے جب یہاں تک بات پہنچی تو عمر عاص نے چپکے سے معاویہ سے کہا کہ یہ اعرابی بدوی ہے اس کو کچھ انعام دے دے ممکن ہے کہ تیری تعریف کرے۔ عمر عاص نے کہا کہ اے اعرابی اگر امیر تجھ کو کچھ عطا کرے تو تو قبول کرے گا۔ جواب دیا کیا خوب میں تو اس کی جان تک لینے کا ارادہ رکھتا ہوں پھر مال کو کیونکر نہ لوں گا۔ معاویہ نے حکم دیا کہ دس ہزار درہم اس کو دے جائیں ابھی وہ درہم آنے بھی نہ پائے تھے کہنے لگا اور زیادہ کروں طرماح نے کہا فانک لا تعطی من مال ابیک کیا اپنے باپ کے مال سے دیتے ہو۔ معاویہ نے اور دس ہزار کا حکم دیا پھر پوچھا اور چاہتے ہو کہا بہتر ہے کہ ان کو وتر کر دے خدا وتر کو دوست رکھتا ہے کہا تیس ہزار درہم دئے جائیں۔ فرمان تو صادر ہو گیا لیکن مال کے آنے میں دیر ہوئی طرماح قدرے سکوت کے عالم میں کھڑے رہے پھر سر اٹھایا اور کہا۔ اے معاویہ تو اپنے مہمان سے استہزاء کرتا ہے کہ اتنے میں وہ درہم طرماح کے سامنے رکھے گئے انہوں نے جلدی سے اس کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور چپ ہو گئے عمر عاص نے کہا کہ تو نے امیر کے جائزہ کو دیکھ

جواب دیا هٰذا مال المسلمین من خزانۃ رب العالمین اخذہٗ عبد من عباد اللّٰہ الصالحین مسلمانوں کا مال ہے خزانۂ خدا سے ایک بندہ صالح نے لیا ہے۔ معاویہؓ نے کاتب کو حکم دیا ارے جلدی سے اس کے خط کا جواب لکھ کے ٹال۔ اس نے تو میرا ناک میں دم کر دیا ہے۔ کاتب نے جواب لکھنا شروع کیا۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم یہ خط معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے علی ابن ابیطالبؑ کے نام! اے علیؑ! خوب سمجھ لو کہ میرے پاس فوجوں کی اتنی کثرت ہے جیسی کہ آسمان میں ستاروں کی زمین اس کی گنجائش کی طاقت نہیں رکھتی یا یوں خیال کر لو کہ میرے پاس اتنی فوج ہے کہ ہزاروں اونٹوں پر کھانے کا سامان لدا ہوتا ہے۔ طرماح کو یہ مضمون معلوم ہوا۔ ہنسے اور کہا معاویہ! علیؑ وہ آفتاب تاباں ہیں کہ جس وقت بھی آشیانۂ شجاعت سے طالع ہوں گے تو سب کے سب ستارے دامنِ حجاب میں سروں کو چھپاتے ہوئے نظر آئیں گے اور وہ ایک مرغ تیز بال قوی چنگال اپنے پاس رکھتے ہیں کہ ان تمام رائی کے دانوں کو اپنی منقار سے چن لے گا۔ معاویہ یہ سن کر جل گیا کاتب سے کہا کچھ مت لکھ۔ عمر عاص نے طرماح سے کہا ارے یہ کیا گستاخی ہے اپنے خط کا جواب نہیں لکھنے دیتا۔ کہا اچھا لکھو اب کچھ نہ کہوں گا۔ خط تمام ہوا۔ طرماح نے اس کو لیا اور سوار ہو کر باہر آ گئے معاویہؓ اپنے اصحاب سے کہنے لگا کہ اگر میں اپنا تمام مال تم میں سے ایک کو دے دوں تو عشر عشیر بھی

اس اعرابی کی برابر رسالت ادا نہیں کر سکتے۔ عمر عاص نے کہا اے معاویہ وہ قرب و منزلت جو علیؑ کو رسالت مآبؐ سے حاصل ہے تجھ کو حاصل ہوتی یا علیؑ کی طرح تو بھی امر خلافت میں حق پر ہوتا تو ہم اس اعرابی سے زیادہ تیری رسالت ادا کرتے۔ معاویہ کو غصہ آ گیا کہنے لگا فضض اللّٰہ فاک۔ خدا تیرا منہ توڑے تیرے ہونٹوں کو قطع کرے تیرا کلام تو اس اعرابی سے بھی زیادہ سخت ہے۔ بس ایسے ہی لوگ قرآن کی تفسیر بیان کر سکتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اے رسولؐ! تمہارے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ تو پہاڑوں میں مکانوں کی چھتوں میں اپنا چھتہ بنا۔ اس خدائی اشارہ کو پاتے ہی ننھی سی جان خوشبودار میٹھے پھل پھول سونگھنے کو نکل پڑی کہیں سے موم کہیں سے رس لے کر اڑی اور پہاڑوں' درختوں اور چھتوں میں اپنی مہالیں لٹکا دیں اور ان میں وہ وہ عجیب و غریب گھر بنائے کہ مہندس کی عقل ان کو دیکھ کر چکرا گئی پیمانہ اور پرکار سے وہ زاویے نہیں بن سکتے جو اس نے اپنے منہ سے بنا کر رکھ دیئے۔ ذرا غور سے ملاحظہ فرمایئے کہ کس طرح اس نے اپنے گھروں کو مسدس نما بنایا ہے۔ ہزاروں خانے ہیں سب آپس میں برابر بالکل فرق نہیں کیا ممکن کسی گھر کی پستی و بلندی' طول و عرض' صورت و شان میں بال برابر فرق تو آ جائے۔ موم کا گھر تھا مگر آندھیاں اٹھا اٹھا کر

ور تیز ہوائیں چل چل کر رہ گئیں۔ سورج اپنی تیزی سے چمکتا رہا۔
مینہ موسلا دھار روئے سے برستا رہا مگر اس طلسم ہوشربا کا ایک گوشہ
ٹوٹ سکا یہ اس کی ایک ادنیٰ مخلوق کی صناعی ہے اگر انسان چاہے
کوئی مکان مسدس شکل کا بنائے تو جب تک، مسطر و پرکار سے
رست نہ کرلے گا نہیں بنا سکتا۔ مگر شہد کی مکھی اپنے گھروں کو
آلات کے بنا لیتی ہے۔ ارسطو نے چاہا تھا کہ اس کے بنانے کو
دیکھے کہ کیونکر بناتی ہے اس خیال سے اس نے ایک شیشہ کا مکان
موایا اور اس میں مکھیوں کو چھوڑ دیا۔ مگر مکھیوں نے قبل چھتہ بنانے
کے ان شیشوں کو کیچڑ وغیرہ سے اندھا کر دیا۔ اور اس سے بڑھ
کر ایک بات یہ بھی ہے کہ ان میں بالکل سلطنت کا سا انتظام ہے
چونکہ بغیر بادشاہ کے اتنے بڑے تمدن کا انتظام ممکن نہ تھا لہٰذا خدا
کی طرف سے ان پر ایک بادشاہ ہوتا ہے جس کے سر پہ تاج
ہوتا ہے جسے یعسوب کہتے ہیں۔ یہ بلحاظ جسم و فہم و فراست
ان سب پر فوقیت رکھتا ہے چونکہ مکھیوں پر خدا کی طرف سے
اس کی اطاعت فرض ہے لہٰذا وہ سب اس کے حکم کو بے چون و
چرا مانتی ہیں اور کبھی ایسا نہیں کرتیں کہ اس کے مرنے کے بعد اجماع
کر کے اپنے میں سے کسی کو بادشاہ بنا لیں بلکہ اسی کے خاندان میں
سے انہی صفات کے رکھنے والے کو اس کا جانشین اور پیشوا مان
لیتی ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ اس کی ادنیٰ سی مخلوق تو اپنی محتاط

اور حضرت انسان اتنے کج فہم کہ اپنی ہدایت کے لیے بجائے کسی منصوص من اللہ کو امام ماننے کے اپنے میں سے کسی ایسے شخص کا انتخاب کر کے اپنا پیشوا بنا لیتے ہیں جس کو ان صفات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا جو خدا کے معین کردہ امام میں ہوا کرتے ہیں۔

جب وہ یعسوب النحل باہر نکلتا ہے تو تمام مکھیاں اس کے پیچھے ہوتی ہیں اور جب یہ مکھیاں شہد کے چھتے میں جمع ہوتی ہیں تو کچھ مکھیاں تو دربانی کا کام کرتی ہیں جوں ہی کوئی مکھی باہر سے آتی ہے تو اس کو سونگھ کر اجازت دیتی ہے کہ اندر جائے اگر کسی عمدہ پھول سے شیرینی لے کر آئی ہے تو چھوڑ دیتی ہے اور اگر کہیں بری جگہ بیٹھ گئی ہے تو اس کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے۔

بہر حال شہد کی مکھیوں کا اتحاد و اتفاق، نظم و نسق سبق آموز ہے اور سارا دارو مدار یعسوب النحل پر ہے۔ اسی کی طرف مولائے کائنات نے اشارہ کیا تھا کہ اَنَا یَعسُوبُ الدِّین۔ مَیں ہوں دین کا یعسوب بادشاہ۔ یہی وجہ تو تھی کہ امتِ رسولؐ نے بعد رسالت مآبؐ بادشاہ حقیقی کو تسلیم نہ کیا جس کی وجہ سے امتِ رسولؐ کا شیرازہ بگڑ گیا۔ آپؑ کا مرتبہ اسلام میں وہی ہے جو شہد کی مکھیوں میں یعسوب کا ہے۔ یعسوب کی اطاعت شہد کی مکھیوں پر فرض ہے اسی طرح جناب امیرؑ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر فرض ہے جس طرح یعسوب النحل کو خدا نے جسمانی طاقت اور علم و فہم میں

تمام کمبیوں پر فضیلت دی ہے اسی طرح حضرت کا مقابلہ بھی کوئی قوت و طاقت اور علم و فہم میں نہیں کر سکتا۔ اسی وجہ سے خدا و رسولؐ نے آپ کو تمام مسلمانوں پر امیر بنایا تھا۔ عہدرسالت کا کوئی غزوہ ایسا نہ تھا جو علیؑ کے زورِ بازو سے فتح نہ ہوا ہو۔ جناب امیرؑ نے نہ کسی لڑائی میں فرار کیا اور نہ کسی سریہ میں۔ آپ کسی سردار کے ماتحت ہو کر کبھی نہ گئے برخلاف اور لوگوں کے کہ وہ کبھی امیر بھتے کبھی ماموراس کی وجہ یہ تھی کہ سوائے جناب امیرؑ کے اور کسی کی شجاعت اور پُرخلوص نصرتِ دین پر رسالت مآبؐ کو بھروسہ نہ تھا ——— اسی کی طرف جناب ابوذر نے موقع حج میں ارشاد فرمایا تھا اے امّت متحیرہ جو نبی کے بعد خلافت کے بارے میں حیران ہو رہی ہے اگر تم لوگ اس کو جس کو خدا نے اور اس کے نبی نے مقدّم کیا ہے مقدّم رکھتے اور جس کو خدا نے اور نبیؐ نے مؤخر کیا ہے مؤخر کرتے تو پھر قیامت تک اختلاف نہ ہوتا اور کوئی گمراہی میں نہ پڑتا تم لوگ کیوں اہلبیتِ رسول کو چھوڑے ہوئے اور بھٹکے پھرتے ہو۔

فضیلت تو وہ ہوا کرتی ہے جس کو غیر بھی تسلیم کریں۔ معاویہ کا وزیر خود اُسے کہتا ہے کہ تو حق پر نہیں ہے۔ اسی طرح امام شافعیؒ اہلبیت کے متعلق کہتے ہیں ؎

يَا آلَ بَيْتِ رَسُولِ اللهِ حُبُّكُمُ

فَرضٌ مِنَ اللّٰہِ فِی القرآنِ اَنزَلَہٗ
کَفَاکُمْ مِن عَظِیمِ القَدرِ اَنکُمْ
مَن لَمْ یُصَلِّ عَلَیکُمْ لَا صَلوٰۃَ لَہٗ

اے اہلبیت رسولؐ آپ کی محبت کو قرآن منزل میں واجب فرمایا ہے۔ آپ کے مرتبہ اور بزرگی کے لیے یہی کافی ہے کہ جو شخص نماز میں آپ پر درود نہ بھیجے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

نماز تقرب الٰہی کے لیے پڑھی جاتی ہے تاکہ جنت میں پہنچ کر ادھر تو پیاس کی شدت ہو ادھر کوثر کی موجوں کا پیچ و خم طبیعت کو بے چین کر رہا ہو اور ساقی کوثر کھڑے ہوئے جام کوثر لیے ہوئے مومنین کو آواز دے رہے ہوں اور مومنین سیراب ہو رہے ہوں لیکن ہمیں کیسے یقین آئے کہ کوثر پر علیؑ ہی ساقی کوثر ہوں گے۔ آیا اس کی مثال کہیں دنیا میں بھی ملتی ہے۔ ہم تو جب ہی یقین کریں گے کہ کہیں دنیا ہی کے اندر کوثر کا پانی ٹھنڈوں اوچھل رہا ہو، اور امیرالمومنین چشمۂ کوثر دنیا پر کھڑے ہوئے جام پر جام پلا رہے ہوں ہاں اب بھی مومنین کو لب کوثر لیے چلتا ہوں۔ ارباب فہم ذرا اس منظر کو ملاحظہ کریں جبکہ امیرالمومنین مع لشکر جنگ صفین کے لیے روانہ ہیں مدائن سے گزرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے جہاں پانی کمیاب بلکہ در نایاب ہے جو کچھ پانی پہلی منزل سے ساتھ لیا تھا وہ بالکل ختم ہو چکا ہے پیاس کی شدت بڑھی ہوئی

ہے ادھر دھوپ تیزی پر ہے ادھر مومنین کے چہرے کملائے ہوئے ہیں۔ ہر چند پانی تلاش کیا مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ پیاس ہے کہ دم بہ دم بڑھ رہی ہے یکایک دور سے ایک دیر راہب نظر پڑا امیرالمومنین بہ نفس نفیس اس کے پاس تشریف لائے راہب کو آواز دی اس نے غرفہ سے سر باہر نکالا۔ آپ نے پوچھا کہیں یہاں قربُ جوار میں پانی ہے کہ یہ لشکرِ اسلام سیراب ہو جائے اس نے کہا۔ یہاں پانی کہاں میرے لیے جو پانی آتا ہے وہ مقام بھی یہاں سے بہت دور ہے مہینے کے مہینے پانی میرے لیے آتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو میں بھی پیاس سے مر جاتا۔ یہ سنتے ہی ساقیٔ کوثر نے اسپ سبک گام کی باگ قبلہ کی طرف موڑ دی چند گام بڑھ کے رُک کے فرمایا یہ مقام کھدوا جائے حکم امام سنتے ہی وہ جگہ کھدنی شروع ہوئی تھوڑی ہی جگہ کھدی ہوگی کہ ایک سنگ عظیم نظر آیا لوگوں نے عرض کی مولا اب کدالیں اس پتھر میں نہیں بیٹھتیں۔ فرمایا یہی پتھر تو پانی کے منہ پر ہے اس پتھر کو یہاں سے ہٹا دو اس کے ہٹتے ہی پانی نکل آئے گا۔ بہت سے لوگوں نے مل کر زور کیا مگر پتھر اپنی جگہ سے نہ ہلا اور کیونکر ہلتا آج ہی کے دن کے لیے تو سنگ نے اس چٹیل میدان میں بستر لگایا تھا گویا دل سنگ کہہ رہا ہوگا مولا ذرا ان انگلیوں کے بوسے تو لینے دیجیے۔ جس کی وجہ سے یہ مومنین سیراب ہونے والے ہیں۔ سینکڑوں آدمی زور کر رہے ہیں مگر

پتھر ہے کہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتا۔ لوگوں کو ضد ہے کہ ہم ہٹا کے چھوڑیں پتھر کی یہ ہٹ ہے کہ میں بھی ان ہاتھوں کو چوم کر ہی ہٹوں گا جو یداللہ کہلاتے ہیں۔ یہ سانحہ ملاحظہ فرما کر امیرالمومنین اپنی سواری سے نیچے اترے مومنین کے جھرمٹ ہٹنے شروع ہوئے ساقیٔ کوثر لب چشمہ تشریف لائے تراب نے ابوتراب کے قدموں کو چوما۔ مولا کی وہ انگلیاں جنہوں نے درۂ خیبر اکھاڑا تھا پھر آج دلِ سنگ میں دھنس آئیں اور زورِ یداللّٰہی سے جنبش دے کر اس زور سے پھینکا کہ دور جا کر گرا پتھر کا ہٹنا تھا کہ لہراتی ہوئی موجیں ساغر جہاں لیے ہوئے مومنین کے لیے بڑھیں ساقی کوثر لب چشمہ کھڑے ہوئے ہر ایک کو سیراب کر رہے تھے پانی پی کر ہر ایک کی جان میں جان آئی۔ کہنے لگے کہ ایسا شیریں و شفاف پانی تو تمام راہ میں کہیں نہیں ملا۔ اور کیونکر ایسا پانی ملتا دکھلانا تھا کہ دیکھو مسلمانو! اگر ہم چاہتے ہیں تو یوں دنیا ہی میں کوثر کا پانی پلا دیتے ہیں۔ جب سب لوگ مع جانوروں کے سیراب ہو چکے تو پھر امیرالمومنین نے اس پتھر کو اس کے مقام سے اٹھایا اور دہانِ چشمہ پر رکھ دیا۔ اور یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ کوثر کا پانی تو فقط دوستوں کو ہی ملتا ہے چونکہ پانی طاہر ہے لہٰذا اسے نجس زبان مس نہیں کر سکتی۔ جب امیرالمومنین نے دہانِ چشمہ کو بند کر دیا تو راہب نے اپنے دیر سے چلّانا شروع کیا کہ خدارا مجھے اتارو۔ لوگوں نے اسے اتارا اترتے ہی سیدھا

میرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوا - پوچھا آپ ملک مقرب ہیں یا
ی مرسل فرمایا نہ میں وہ ہوں اور نہ یہ ہوں کہا پھر کون ہو فرمایا
نا وصی محمد المصطفیٰ میں محمد مصطفیٰ خاتم النبیین کا وصی ہوں۔
ہب نے عرض کی پھر ہاتھ بڑھائیے تاکہ بیعت کروں کہا پہلے کلمہ
شہادت زبان پر جاری کر اس نے کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا پھر
ور ضروریات دین تعلیم کیے - حضرت نے یکایک اسلام لانے کا سبب
پوچھا - عرض کی کہ یہ دیر اس دن کے لیے بنایا گیا ہے اس کے بنانے
والوں کی یہ غرض تھی کہ جو اس چشمہ کا پتہ لگائے اور اس پتھر کو ہٹائے
کسی طرح اس شخص سے ملنا چاہیے اس بات کو ایک زمانہ گذر گیا بہت
سے لوگ اسی تمنا میں مر گئے لیکن یہ ان کو نصیب نہ ہوا میری قسمت
میں یہ دولت تھی تو میں نے پائی - ہماری کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے
کہ اس چشمہ سے سوائے نبی یا وصی نبی کے اور کوئی دوسرا واقف نہیں -
جب میں نے آپ سے یہ معجزہ دیکھا تو سمجھ لیا کہ آپ نبی ہیں یا وصی
نبی - پس میں نے اسلام قبول کیا - اب یہ غلام حاضر ہے جو چاہے
کیجئے - حضرت یہ سن کر آبدیدہ ہوئے حتیٰ کہ ریش مبارک آنسوؤں
سے تر ہو گئی - اور فرمایا الحمد للہ الذی لم اکن عندہٗ منسیًّا
والحمد للہ الذی کنت فی کتبہٖ مذکورًا - تمام تعریفیں اس
خدا کے لیے سزاوار ہیں کہ میں اس کے نزدیک فراموش نہیں ہوں -
اور اس کی کتابوں میں میرا ذکر موجود ہے - جب لشکر نے کوچ کیا تو

راہب بھی ساتھ ہو لیا۔

احمد بن اعثم کوفی نے لکھا ہے کہ امیرالمومنین جنگِ صفین کو تشریف لے جا رہے ہیں تا اینکہ میدانِ کربلا میں پہنچے امیرالمومنین کا لشکر لبِ نہر اترا خیمے نصب ہونے لگے ہر ایک شخص اپنے اپنے خیمے میں۔ جوں ہی امیرالمومنین لبِ نہر اترنے لگے تو بے ساختہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑے حتیٰ کہ ریش مبارک تر ہو گئی۔ عبداللہ ابن عباسؓ سے فرمایا۔ ابنِ عباسؓ تو جانتا ہے کہ یہ کون سی جگہ ہے عرض کی نہیں یا مولا! فرمایا اے ابن عباسؓ! اگر تو بھی میری طرح اس زمین سے واقف ہوتا تو تو بھی اسی طرح روتا پھر ایک سرد آہ کھینچی اور فرمایا مالی ولآل ابی سفیان مجھ کو آلِ ابی سفیان سے کیا کام ہے پھر آپ نے اپنے فرزند حسینؑ کو بلایا اور سینے سے لگایا اور فرمایا۔ اے بیٹا! تم دیکھ رہے ہو کہ تمہارا باپ آلِ ابی سفیان سے کن کن مصائب و آلام میں مبتلا ہے کل تمہیں بھی ان کے ہاتھوں بڑی تکلیفیں پہنچیں گی بیٹا! اس وقت ذرا صبر سے کام لینا۔ عجب مقام ہو گا دور تک لشکرِ امیرالمومنینؑ کے خیمے لگے ہونگے کوئی اپنے گھوڑوں کو سیراب کر رہا ہو گا کوئی اپنے خیمے میں نہرِ فرات کا پانی لا رہا ہو گا۔ اب لشکر کے کوچ کا وقت آیا جوں ہی خیمے اٹھنے لگے امیرالمومنین بے چین ہو گئے یاد آ گیا آپ کو حسینؑ کے خیموں سے کا اٹھایا جانا۔

(روایت ابی مخنف) جوں ہی یہ آوارہ وطن راہ کی مصیبتوں کو طے کرتے ہوئے اس زمین پر وارد ہوئے تو یکایک اسپ امامؑ چلتے چلتے رک گیا حتیٰ کہ حضرت نے سات گھوڑے تبدیل کئے مگر کسی نے قدم نہ بڑھایا اس وقت آپ نے تعجب سے پوچھا۔ ما یقال لھٰذہ الارض اس زمین کا کیا نام ہے چونکہ وہ لوگ جو حضرت کے ساتھ تھے بارہا سن چکے تھے انّ ولدی الحسین یقتل بارض کربلا۔ رسولؐ نے فرمایا کہ میرا فرزند حسینؑ عراق کی اس سرزمین پہ قتل کیا جائے گا جس کو کربلا کہتے ہیں۔ اسی مصلحت سے ان لوگوں نے یکایک اس کا نام نہ بتلایا بلکہ کہا یا حضرت! اس کو نینوا کہتے ہیں پھر پوچھا ھل لھا اسم اخر اس کا کچھ اور نام بھی ہے انہوں نے کہا اس کو ماریہ کہتے ہیں پھر پوچھا۔ ھل لھا اسم اخر اسے کچھ اور بھی کہتے ہیں جواب دیا اسے شط فرات کہتے ہیں پھر پوچھا آخر کو لوگوں نے کہہ ہی دیا یقال لھا کربلا مولا اس زمین کو کربلا کہتے ہیں۔ کربلا کا نام سننا تھا کہ آہِ سرد کھینچی اور گھوڑے سے اتر پڑے۔ فرمایا بھائیو! اب سفر ختم ہو گیا اب یہاں سے قیامت تک کہیں نہ جاؤں گا یہی وہ جگہ ہے جس کی میرے نانا نے خبر دی ہے اسی جگہ پر ہمارے عزیز و انصار مثل گوسفند قربانی ذبح کئے جائیں گے ہمارے ننھے ننھے بچوں کا لہو اسی پر بہے گا سب کی یہ رائے ہوئی کہ ننھے ننھے بچوں کا ساتھ ہے مناسب معلوم ہوتا ہے

خیمے لبِ نہر نصب کیے جائیں امام عالی مقام سب کو مصروفِ کار پاکر لبِ نہر تشریف لائے خیمۂ ناموسِ نبی استادہ کرنے کے بعد سیدانیوں کے اترنے کے بعد حضرت عباسؑ اور جناب علی اکبرؑ شہزادہ قاسمؑ فرزندانِ جناب زینب اور یتیمانِ مسلمؑ پسِ شاہ روانہ ہوئے۔ جناب علی اکبرؑ اپنے عموئے نامدار سے عرض کرنے لگے کہ آج صحرا کا وہ عالم ہے کہ اپنی نگاہ انتخاب تو بار بار ادھر مچلتی ہے۔ اسد اللہ کے شیر نے جواب دیا جانِ عم ترائی کی فضا بھی کچھ کم دلفریب نہیں ہے خیمے چاہے کہیں نصب ہوں ہم تو شب کا آرام لبِ جو ہی پسند کرتے ہیں گرمی کے دن ہیں اس لیے ہمیں تو سرد ہوا بھاتی ہے ہمیں تو ترائی ہی میں چین سے نیند آئے گی۔ جوں ہی امام حسینؑ نے دونوں کی یہ گفتگو سنی دل کو پکڑ لیا اور ایک نظر صحراو ترائی پر اور ایک نگاہِ یاس بیٹے اور بھائی پر ڈالی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ حضرت عباسؑ کا چہرہ زرد ہوگیا قدموں پر جھک گئے۔ سببِ گریہ دریافت کیا۔ حضرت نے فرمایا جان برادر اس وقت جو دریا کو لہراتا ہوا پایا ساقی کوثر کی یاد نے تڑپا دیا۔ جب وہ جنگِ صفین پر جارہے تھے تو لشکرِ اسلام کا یہیں قیام اس دن بابا کو اس ترائی نے بہت اشکبار کیا تھا جب میں نے سبب پوچھا تو سینے سے لگا لیا اور فرمایا بیٹا! جب تم میرے بعد مع لشکر یہاں آکر اترو گے تو میرے اس رونے کا سبب تم پر

کھل جائے گا۔ حضرت کے اس کلام یاس نے سب کو تڑپا دیا۔ تاریخ طبری میں ہے کہ اتنے میں حُر کا لشکر آپہنچا اور اس نے دریا کے قیام پر اعتراض کیا لشکر حسینی بگڑ گیا جب حضرت نے دیکھا کہ لڑائی ہوا چاہتی ہے تو فرمایا بھائی عباسؑ! ہر چند کہ دریا کا قرب اطفال خورد سال کی وجہ سے مناسب ضرور ہے لیکن جس امر میں اندیشۂ فساد ہو اس سے کیا فائدہ، آؤ اور جانے دو ریتی پر ہی خیمے نصب کر لو۔ اللہ اللہ کل ہی کی بات ہے کہ ساقیٔ کوثر کے فرزند نے اسی لشکر کو مع جانوروں کے سیراب کیا ہے۔ آج وہ لوگ خیمہ ہائے امام کو دریا سے اٹھانے پر مجبور کر رہے ہیں۔ ملّا ابو اسحاق اپنے مقتل میں لکھتے ہیں کہ سیدہ کی گود کے پالے دریا سے اتنی دور ہٹا دیے گئے کہ دریا کی سرد ہوا بھی ان کے قریب تک نہ گزرنے پائے۔ اس کے بعد آپ نے وہاں کے زمینداروں کو بلا کر فرمایا کہ مجھے یہاں کی آب و ہوا بہت پسند آئی ہے اسے ہمارے ہاتھ فروخت کر ڈالو ہم اسے بسائیں گے۔ اور یہیں بود و باش اختیار کریں گے انہوں نے عرض کیا۔ مولا ہم بھی حاضر ہیں یہ زمین بھی حاضر ہے لیکن اکثر انبیاء و اولیاء اس زمین پر مبتلائے بلا ہوئے ہیں خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ آپ کسی بلا میں گرفتار ہوں۔ حضرت نے فرمایا تم نے بمقتضائے محبت جو مناسب تھا کہا لیکن میں مجبور ہوں جس روز سے خداوند عالم نے

اس زمین کو پیدا کیا ہے اسی روز سے اس کو ہمارا مسکن قرار دیا ہے۔ غرضکہ حضرت نے چار میل مربع زمین خرید فرمائی اور پھر انہیں کو دے دی اور فرمایا کہ میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ اس زمین پر قابض رہنا مگر تم لوگوں سے دو شرطیں ہیں اوّل یہ ہے کہ ہماری قبروں پر زراعت نہ کرنا، دوسرے یہ کہ اگر کوئی زائر میری قبر کا نشان پوچھتا ہوا آئے تو اس کو میری قبر تک پہنچا دینا اور تین شبانہ روز اس کو اپنا مہمان رکھنا۔ کوئی تکلیف اس کو پہنچنے نہ پائے۔ تین شبانہ روز کی وصیّت غالباً اس لیے کی تھی تاکہ میرے زائر کو معلوم ہو جائے کہ میرے آقا اسی زمین پر تین دن کے بھوکے پیاسے رہے۔ ایک روایت میں عجیب مضمون وارد ہوا ہے حضرت نے بنی اسد کو مع ان کی عورتوں اور بچوں کے بذریعہ حضرت عباسؑ طلب کیا حضرت خیمہ سے برآمد ہوئے رومال جناب سیدہ ہاتھ میں آنکھوں سے اشک جاری کرسی پر بیٹھ گئے۔ جناب عباسؑ نے فرمایا کہ بھیا عباسؑ ان کے تین گروہ کر دو۔ مردوں کو علیٰحدہ عورتوں کو جدا بچوں کو ایک طرف کھڑا کر دو۔ اس کے بعد حضرت مردوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا بھائیو حسینؑ تم سے یہ امید رکھتا ہے کہ جب ہم قتل کر دیے جائیں تو تم ہماری لاشوں کو تہ خاک کر دینا۔ پھر عورتوں سے خطاب کیا کہ اگر تمہارے مرد ہمارے دفن سے اغماض کریں تو تم ہماری لاشوں کو دفن کر دینا اللہ اللہ کیا بے کسی کا عالم تھا پھر

موں سے کہا اگر تمہارے ماں باپ ہمارے دفن کی طرف کچھ توجہ نہ کریں تو تم کھیلتے کھیلتے یہاں چلے آنا اور ایک ایک مٹھی خاک ہماری لاشوں پر اتنی مٹی ڈال دینا کہ ہماری لاشیں چھپ جائیں ــــ حضرت نے بہت انتظام کیا کہ ہماری لاشیں محفوظ رہیں مگر مسلمانوں نے یہ سلوک کیا جو لباس حضرت پھٹا بڑا پہنے ہوئے تھے اس کو بھی لوٹ لیا کوئی تو انگشتری کی خاطر انگلی کاٹ کرلے گیا کسی نے کمربند کے لیے ہاتھ قلم کر دیا اسی لیے تو بارھویں امام فرماتے ہیں۔" السلام علی اعضاء المقطعات" سلام ہو میرا اس پر جس کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے۔" السلام علی المدفون بلا کفن"۔ سلام ہو میرا اس پر جو بغیر غسل و کفن کے دفن کیا گیا۔

تمت بالخیر

مفتاح المجالس

(حصہ دوم)

تالیف لطیف و تصنیف منیف

عالیجناب مفکرِ عصر مولانا سید صابر حسین صاحب قبلہ نقوی السرسوی مدظلہ،

انشاء اللہ العزیز جلد ہی مستقبل قریب میں ایمان افروز معرکۃ الآراء مجالس کا مجموعہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو رہا ہے۔ ترتیب و تدوین کی منزل میں ہے انتظار فرمایئے۔

پیشگی آرڈر بک کرانے پر محصول ڈاک معاف

المشتہر: ادارۂ تذکرۃ الطاہرین نواب شاہ، سندھ

فنِ خطابت

تصنیف : سید اعجاز محمد نقوی ——— فاضل

خدا کرے کوئی طالب علم اپنے راستے سے نہ بھٹکے کیونکہ اس سے وہ زندگی بھر ناکام رہے گا۔ تجربہ شاہد ہے کہ مجلسیں پڑھنا سیکھنے کے لیے مندرجہ ذیل طریقے بھٹکے ہوئے راستے ہیں :۔

۱۔ خطابت سیکھنے کے لیے بچوں کو دینی مدرسوں میں پڑھوانا۔

۲۔ پڑھتے پڑھتے مجلسیں پڑھنی آجاتی ہیں۔

۳۔ مجلسوں کی کتابیں پڑھ پڑھ کر مجلسیں پڑھنا سیکھنا۔

ان طریقوں سے خطابت سیکھنے کے سینکڑوں شیدائی مجلسیں پڑھنا نہیں سیکھ سکے ہیں بلکہ طلباء کی عمروں اور ان کے والدین کے پیسے کا متواتر نقصان ہوتا چلا آرہا ہے۔ لہذا ہم نے اس نقصان کو دور کرنے اور خطابت سیکھنے والی آئندہ نسل کو بھٹکے ہوئے راستے سے بچانے کی خاطر فن خطابت سیکھنے کے صحیح طریقے معلوم کرنے پر تحقیق کا بیڑا اٹھایا۔ اور بالآخر ناکامی کے اسباب اور کامیاب مجلسیں پڑھنا سیکھنے کے صحیح طریقے معلوم کر لیے۔ ہمارے کہنے سے خطابت کے نئے طالبعلم ان کے والد/سرپرست اور استاد کام شروع کرنے سے پہلے اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں اس سے وہ بھٹکنے سے بچ جائیں گے۔ ناکام واعظوں سے خطیب مقبول بننے کے طریقے، مشہور خطیبوں کی صحبت میں آنے کے طریقے اور پورے ملک کا اعلیٰ خطیب بننے کے طریقے معلوم کریں۔ ہر مذہبی کتب فروش سے دستیاب ہے۔ قیمت معمولی ہے۔

ادارہ تذکرۃ الطاہرین کی معرفت آموز کتابیں

آفتابِ نبوت ازمؤلفہ مولانا سید صابر حسین صاحب نقوی سرسوی مدظلہٗ

سرکارِ دو عالمؐ کی مبسوط ترین سوانح حیات جس میں حضرتؐ کی ولادت سے لیکر وفات تک کے حالات تفصیل سے درج ہیں۔ قیمت ۶/۵۰ روپے

حیات ابوطالب ازمؤلفہ علامہ میاں خالد انصاری بھوپالی (مقتدر) مولانا سید صابر حسین نقوی سرسوی مدظلہ

عالم اہلسنت کے قلم سے قرآن وحدیث وتاریخ کی روشنی میں حضرت ابوطالب کی سوانح حیات جو سیکڑوں سال کے الجھے ہوئے مسائل کی گرہ کشائی کرتی ہے۔ قیمت -/۵ روپے

جلاء العیون اردو ترجمہ: مولانا سید صابر حسین نقوی سرسوی مدظلہٗ

علامہ مجلسیؒ کی مایۂ ناز کتاب جلاء العیون کا بہترین اردو ترجمہ قیمت -/۱۱ روپے

احسن العقائد ازعلامہ سید محمد قاسم صاحب قبلہ زیدی مدظلہٗ

عقائد مذہب جعفریہ پر شرح وبسط کے ساتھ اردو میں پہلی اور آخری کتاب قیمت -/۱۰ روپے

خصائص آلِ محمد ازمولانا سید صابر حسین نقوی سرسوی مدظلہٗ

اہلبیت۔ عترت۔ آل۔ ذوی القربیٰ پر سیر حاصل بحث اور ان چاروں لفظوں پر مشہور ومعروف کتب احادیث خصوصاً صحاح ستہ سے احادیث جمع کی گئی ہیں۔ قیمت -/۵ روپے

مباحثہ حسنیہ اردو ترجمہ: مولانا سید صابر حسین صاحب نقوی سرسوی مدظلہٗ

امام جعفر صادق علیہ السلام کے حرم محترم کی تربیت یافتہ "حسنیہ" کا معرکۃ الآرا مناظرہ جو اس نے ہارون رشید عباسی کے دربار میں اس وقت کے علماء وفضلاء سے مذہب اہلبیت کی حقانیت پر کیا۔ قیمت -/۵ روپیہ